14/22

ہفت روزہ

خدام الدین لاہور

بیادگار: شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ
شیرانوالہ دروازہ لاہور

۱۱ رجب المرجب ۱۳۸۸ھ
۴ر اکتوبر ۱۹۶۸ء

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین ◎ لاہور

ہدیہ ۲۵ پیسے

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا وَمَوْضِعُ سَوْطِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا وَالرَّوْحَةُ يَرُوحُهَا الْعَبْدُ فِي سَبِيلِ اللهِ تَعَالَى أَوِ الْغَدْوَةُ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالےٰ کے راستہ میں ایک دن سرحد کی حفاظت کرنا دنیا اور جو دنیا پر ہے سب سے بہتر ہے اور تم میں سے کسی کو جنت میں ایک کوڑے کی جگہ مل جانا، دنیا اور جو کچھ دنیا پر ہے، سب سے بہتر ہے اور شام کو اللہ تعالےٰ کے راستہ میں (جہاد کے لئے) جانا، یا صبح کو جانا دنیا اور جو کچھ دنیا پر ہے، سب سے بہتر ہے (اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

وَعَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ وَإِنْ مَاتَ فِيهِ أُجْرِيَ عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِي كَانَ يَعْمَلُ وَأُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ وَأَمِنَ الْفَتَّانَ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، کہ ایک دن رات سرحد اسلام کی حفاظت کرنا، ایک مہینہ کے روزے اور اس کی راتوں کی عبادت سے افضل ہے اور اگر اسی حالت میں وہ مرگیا تو جو کام وہ کرتا تھا مرنے کے بعد بھی اس کے لئے جاری رہیں گے اور اس کا رزق بھی جاری رہے گا۔ اور فتنہ قبر سے بھی محفوظ رہے گا۔ (مسلم)

وَعَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلَى عَمَلِهِ إِلَّا الْمُرَابِطَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَإِنَّهُ يُنَمَّى لَهُ عَمَلُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيُؤَمَّنُ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ" رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ: حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر میت کا عمل موت سے ختم کر دیا جاتا ہے مگر جو شخص کہ اللہ تعالےٰ کے لئے سرحد اسلام کی حفاظت کر رہا ہے، اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور وہ فتنہ قبر سے بھی محفوظ رہتا ہے۔ امام ابوداؤد اور ترمذی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ يَوْمٍ فِيمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَنَازِلِ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ: حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ فرما رہے تھے کہ ایک دن اللہ تعالےٰ کے راستہ میں سرحد اسلام کی حفاظت کرنا، دوسرے کاموں میں ہزار دن لگے رہنے سے افضل ہے (ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا اور کہا حدیث حسن ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "تَضَمَّنَ اللهُ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيلِهِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا جِهَادٌ فِي سَبِيلِي وَإِيمَانٌ بِي وَتَصْدِيقٌ بِرُسُلِي فَهُوَ ضَامِنٌ أَنْ أُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ أُرْجِعَهُ إِلَى مَنْزِلِهِ الَّذِي خَرَجَ مِنْهُ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ مَا مِنْ كَلْمٍ يُكْلَمُ فِي سَبِيلِ اللهِ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ كُلِمَ لَوْنُهُ لَوْنُ دَمٍ وَرِيحُهُ رِيحُ مِسْكٍ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْلَا أَنْ يَشُقَّ عَلَى الْمُسْلِمِينَ مَا قَعَدْتُ خِلَافَ سَرِيَّةٍ تَغْزُو فِي سَبِيلِ اللهِ أَبَدًا، وَلَكِنْ لَا أَجِدُ سَعَةً فَأَحْمِلَهُمْ وَلَا يَجِدُونَ سَعَةً وَيَشُقُّ عَلَيْهِمْ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنِّي. وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوَدِدْتُ أَنْ أَغْزُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَأُقْتَلَ ثُمَّ أَغْزُوَ فَأُقْتَلَ، ثُمَّ أَغْزُوَ فَأُقْتَلَ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَى الْبُخَارِيُّ بَعْضَهُ۔

(الْكَلْمُ": الْجُرْحُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص میرے راستے میں جہاد کرنے اور صرف مجھ پر ایمان رکھنے اور میرے رسولوں کی تصدیق کرنے کی وجہ سے اپنے گھر سے نکلا ہو تو خدا تعالےٰ اس کا ضامن ہے یا اس کو جنت میں داخل کرے گا (اگر وہ شہید ہوگیا) یا اس کو مکان کی طرف جس سے وہ جہاد کے لئے) نکلا ہے کامیاب واپس پہنچا دوں گا۔ ثواب کے ساتھ یا غنیمت کے ساتھ، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ وہ کوئی زخم خدا کے راستہ میں نہیں کھائے گا، مگر قیامت کے دن اس کو اس حالت میں لیکر حاضر ہوگا، جیسا زخم کھانے کے وقت تھا اس کا رنگ خون کا رنگ ہوگا، اور بو مشک کی ہوگی، اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں مسلمانوں پر گرانی محسوس نہ کرتا، تو میں کسی لشکر سے جو جہاد کر رہا ہے کبھی پیچھے نہ رہتا، لیکن نہ میں خود اتنی وسعت پاتا ہوں، کہ سب کو سواری دوں، اور نہ مسلمانوں ہی میں اتنی وسعت ہے اور یہ ان پر گراں ہے کہ میں جہاد پر چلا جاؤں اور وہ مجھ سے پیچھے رہ جائیں، اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، بے شک میں تمنا رکھتا ہوں، کہ خدا کے راستہ میں جہاد کروں اور شہید ہو جاؤں، پھر جہاد کروں، پھر شہید ہو جاؤں۔ اور پھر جہاد کروں، اور شہید ہو جاؤں (مسلم) امام بخاری نے اس حدیث کے بعض حصہ کو ذکر کیا ہے۔

"الکلم" یعنے زخم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایڈیٹر
مناظر حسین نظرؔ
ٹیلیفون
۶۷۵۴۵

ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور

سالانہ
گیارہ روپے
ششماہی
چھ روپے

جلد ۱۴ | ۱۱ رجب المرجب ۱۳۸۸ھ مطابق ۴ اکتوبر ۱۹۶۸ء | شمارہ ۲۲

سکولوں میں قرآنی تعلیم

قرآن عزیز کے ہر صاحب ایمان مسلمان پر چار حقوق ہیں۔ قرآن عزیز کا پڑھنا، قرآن عزیز کا سمجھنا، قرآن عزیز پر عمل کرنا اور قرآن عزیز کو دوسروں تک پہنچانا۔ لیکن مسلمان حکومت پر ان فرائض کے علاوہ ایک اور فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ لوگوں سے قرآن عزیز کے احکام و فرامین پر قانوناً عمل بھی کرائے۔ مسلمان اربابِ اقتدار عنداللہ اس بات کے لئے جوابدہ ہیں کہ انہوں نے قرآنی احکام و فرامین کی ترویج و اشاعت کے لئے، انہیں عملی جامہ پہنانے کے لئے اور لوگوں سے ان پر عمل کرانے کے لئے اپنی تمامتر مساعی وقف کی ہے یا نہیں؟ اور عوام سے یہ سوال ہو گا کہ انہوں نے اپنی حد تک قرآن عزیز کے حقوق ادا کرنے اور شریعتِ مطہرہ کو اپنی عملی زندگی میں جاری و ساری کرنے کے لئے کیا سرگرمیاں دکھائی ہیں؟ مگر افسوس کہ ہمارے اندر دینی ذمہ داریوں کا کوئی احساس باقی نہیں رہا اور ہم نے دین کو اپنی عملی زندگیوں سے قطعی طور پر خارج کر دیا ہے۔ اربابِ اقتدار اس سلسلے میں اپنے فرائض سے اغماض برت رہے ہیں اور عوام اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہیں۔

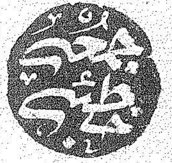
مملکتِ اسلامیہ پاکستان کو معرض وجود میں آئے ۲۱ سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے اور مادی اعتبار سے موجودہ دور اقتدار میں اس نے کافی ترقی بھی کی ہے۔ لیکن روحانی اور مذہبی اعتبار سے بجائے آگے بڑھنے کے ترقیٔ معکوس ہوئی ہے، اور اس ملک میں قرآن اور اسلام کے ساتھ سوتیلی ماں کا سا سلوک ہو رہا ہے، حالانکہ یہ ملک حاصل ہی اسلام کے نام پر کیا گیا تھا اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں نے محض اس توقع پر اپنے عزت و ناموس اور جانوں کی قربانیاں پیش کی تھیں کہ یہاں کتاب و سنت کے مطابق دستور نافذ کیا جائے گا۔ اور ملک میں ہر طرف اسلامی تہذیب و تمدن اور طرز معاشرت کا دور دورہ ہو گا۔ لیکن

؎ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

تاحال یہ امید بر نہیں آئی۔ حتیٰ کہ اس سمت میں ابھی تک کوئی صحیح اور مؤثر حرکت ہی نہیں ہوئی۔ اربابِ اقتدار شروع سے زبانی وعدے کرتے اور سبز باغ دکھاتے چلے آتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کا یہ خواب بظاہر شرمندہ تعبیر ہوتا نظر نہیں آتا۔ کیونکہ اس سلسلے میں عوام و حکام کا طرز عمل ابھی تک زبانی جمع خرچ سے آگے نہیں بڑھا۔ اور اس کے مقابلہ میں عریانی و بے حیائی، اور خلافِ اسلام حرکات روز بروز فزوں تر ہوتی چلی جاتی ہیں۔ تمام باطل قوتیں شریعت مطہرہ کی مخالفت پر کمربستہ ہیں اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ دین ہی کے نام پر بے دینی کو رواج دینے کی سرگرمیاں نکتۂ عروج پر پہنچ چکی ہیں۔ چنانچہ اگر ان سرگرمیوں کی روک تھام نہ کی گئی اور اُن عوامل کا سد باب نہ کیا گیا جو بے دینی کو رواج دینے میں ممد و معاون ہیں تو وہ وقت دور نہیں۔ جب اسلام اس ملک میں ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملے گا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اسلام بہت ہی سخت جان واقع ہوا ہے اور یہ کسی کے مٹائے مٹ نہیں سکتا۔ چونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود خداوند قدوس نے لے رکھا ہے۔ لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ خدا اسلام کو صرف اسی خطہ کے لئے ضروری کر دے جہاں کے باشندے، اس کے قدردان نہ ہوں۔ وہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ اسلام سے دور بھاگنے والوں کو ملیامیٹ کر کے رکھ دے اور کسی قوم کو پیدا فرما کر اپنا دین اس کے حوالے کر دے۔ آخر مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہماری بھی ذمہ داریاں ہیں۔ ہمیں بھی اپنے اعمال کے لئے خدا کے سامنے جوابدہ ہونا ہے عوام اپنے اعمال کے لئے جوابدہ ہوں گے اور خواص کو اپنے کئے کا حساب مالک الملک کے حضور پیش کرنا ہو گا۔ پھر اس وقت دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

آیئے ہم اپنے اعمال کا محاسبہ کریں اور دیکھیں کہ ہم کہاں تک عنداللہ سرخرو ہیں اور ہم نے شجرِ اسلام کی آبیاری کے لئے کس حد تک عرق ریزی کی ہے؟ دُور نہ جایئے۔ کالج اور سکول آغوشِ مادر کے بعد نئی نسل کی دینی نشوونما اور پرورش کے لئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن کیا آپ کبھی یہ تصور بھی فرما سکتے ہیں کہ موجودہ درسگاہوں سے خالدؓ و بایزیدؒ کے جانشین پیدا ہوں گے؟ اور ان مدارس میں جا کر بچیاں فاطمہؓ و عائشہؓ کے اوصاف حمیدہ کا عکسِ جمیل بن سکیں گی؟ موجودہ درسگاہوں میں سب کچھ ہے مگر اسلام نہیں ہے اور قرآن و حدیث کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں۔ کتاب و سنت تو دور کی بات ہے ناظرہ قرآن پڑھانے تک کا کوئی اہتمام نہیں۔ اور اب حکومت نے اسکولوں میں ناظرہ قرآن کی تعلیم کا انتظام کیا ہے تو وہ قطعی برائے نام ہے، اور مدرسین اور طلباء اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے پھر یہ انتظام اس قدر ناقص ہے کہ اس سے مفید نتائج برآمد ہونے کی کوئی امید ہی نظر نہیں آتی۔

باقی صـ۵ پر



۴ ر رجب المرجب ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۷ ر ستمبر ۱۹۶۸ء

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ حق صداقت ہیں

ان کی تنقیص کرنے والا شفاعتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محروم رہے گا!

حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب مدظلہ

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی: امّا بعد: فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم:
بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم:-

وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْآ اَنُؤْمِنُ کَمَآ اٰمَنَ السُّفَھَآءُ ط اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَھَآءُ وَلٰکِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ ہ

(پ ۱۔ س البقرہ۔ آیۃ ۱۳)

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی ایمان لے آؤ جیسا ایمان لائے ہیں اور لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں گے۔ جیسا ایمان لے آئے ہیں بے وقوف۔ یاد رکھو! بے شک یہی ہیں بے وقوف، لیکن اس کا علم نہیں رکھتے۔

اس آیت میں منافقوں کی طرف اشارہ کرکے کہا گیا ہے کہ دعوائے ایمان کا ثواب بھی ان لوگوں کو ہے مگر سمجھانے والوں کا مطلب یہ تھا کہ ایمان دل سے لائیں اور دیانت اور راستی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کریں۔ اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ایمان لائیں ——— یہاں لفظ "النّاس" استعمال ہوا ہے اور "ناس" "آل" کے داخلہ کے بعد معرفہ ہو گیا ہے۔ جس سے مراد ساری نوع انسان نہ رہے گی بلکہ وہ متعین اور مخصوص افراد رہ گئے جو مخاطبین کے لئے معلوم و معروف تھے اور وہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

حاصل یہ نکلا کہ اس آیت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایمان کو منافقین کے سامنے بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے اور انہیں معیارِ حق و صداقت ٹھہرایا گیا ہے اور ان کو ہدفِ مطاعن بنانے والوں پر خود خالق کائنات نے ناراضگی کا اظہار کیا اور ان کے مخالفین کو بے وقوف اور بے عقل کہا ہے۔

صحابہؓ کا ایمان مدارِ ہدایت ہے

دوسری جگہ ارشادِ ربانی ہے:-

فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم بہ فقد اھتدوا ط وان تولوا فانما ھم فی شقاق ط (بقرہ)

ترجمہ: پس اگر وہ (منافق) تمہاری طرح ایمان لے آئیں تو پس وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ پھر جائیں تو وہ کھلی گمراہی اور ضد پر ہیں۔

اس آیت میں اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرکے کہا گیا ہے کہ منافقوں سے کہہ دو کہ اگر تمہیں ہدایت مقصود ہے تو کھلے بندوں ہماری طرح مسلمان بننا پڑے گا۔ ورنہ تم ہٹ دھرم، ضدی اور ایمان سے خالی قرار پاؤ گے اور تمہارا ایمان کا دعوےٰ مردود ہو گا۔

حاصل یہ نکلا کہ اصحاب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان دنیا کے تمام انسانوں کے ایمان کو جانچنے کی کسوٹی ہے اور اس لئے صحابہ کرامؓ معیار حق و صداقت ہیں۔ اور ان کی راہ

حق و صداقت اور ہدایت

کی صراط مستقیم ہے۔

حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ کی زرّیں نصیحت

مشکوٰۃ شریف میں حضرت زرّین کی روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے جسے دین کی راہ اختیار کرنی ہے تو وہ ان کی راہ اختیار کرے جو اس دنیا سے گذر چکے ہیں اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں جو اس امّت کا سب سے افضل ترین طبقہ ہے۔ قلوب ان کے پاک تھے، علم ان کا گہرا تھا، تصنّع و تکلّف ان میں کالعدم تھا اللہ نے انہیں اپنے نبیؐ کی صحبت اور دین کے برپا کرنے کے لئے چن لیا تھا۔ اس لئے ان کی فضیلت و برگزیدگی کو پہچانو۔ ان کے نقشِ قدم پر چلو اور طاقت بھر ان کے اخلاق اور ان کی سیرتوں کو مضبوط پکڑو اس لئے کہ وہ ہدایت کے سیدھے راستہ پر تھے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب مدظلہ نے اس روایت پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس زندگی کے ہر شعبہ کے ہر شعبہ کے ہر پہلو کی خیر کی جامع تھی اور ذات بابرکات کو اللہ تعالےٰ نے سارے ہی علمی و عملی کمالات کا منتہا اور آخری نقطۂ فیض بنایا تھا۔ ممکن نہ تھا کہ امّت کا ہر ہر طبقہ جس کی قابلیتیں اور علمی و عملی صلاحیتیں کم و بیش اور متفاوت

اور ذہنی پروازیں الگ الگ تھیں۔ کسی طبقہ پر علم کا غلبہ، کسی پر افادہ و ارشاد کا، کسی پر خلوت پسندی کا غلبہ اور کسی پر جلوہ آرائی کا، پھر معاشرتی لائنوں میں کسی میں تجارت کا ذوق اور کسی میں صنعت و حرفت کا، کسی میں ملازمت کا شوق اور کسی میں دوسرے کاروبار کا۔ ضروری نہ تھا کہ ہر ہر طبقہ نبوت کے ہر ہر رخ کو پورے پورے غلبہ اور یکسانیت کے ساتھ اپنی اپنی مخصوص زندگیوں کا جوہر بنا سکے اور براہ راست اس تک پہنچ سکے۔ اس لئے حق تعالےٰ نے ان مظاہر نبوت صحابہ کرام رضؓ میں ہر ہر طبقہ کے افراد جمع فرما دئے تھے۔ ان میں امیر بھی تھے اور غریب بھی، مزدور بھی تھے اور سرمایہ دار بھی، تاجر بھی تھے اور کاشتکار بھی، صناع بھی تھے اور اہلِ حرفہ بھی، قاضی و مفتی بھی تھے اور معلم و مدرس بھی۔ داعی بھی تھے اور مبلغ بھی، مجاہد بھی تھے اور غازی بھی، حکام بھی تھے اور محکوم بھی، ملازمت پیشہ بھی تھے اور یکسو بھی، خلوت پسند بھی تھے اور جلوت دوست بھی، اربابِ اقتدار بھی تھے اور پبلک مین بھی، صف شکن بھی تھے اور نفس کش بھی، خواص بھی تھے اور عوام بھی، غرض ہر درجہ اور ہر لائن کے لوگ اس مقدس طبقہ میں منجانب اللہ مہیا تھے مگر قدرِ مشترک ان سب میں کمالِ دین، کمالِ اخلاص، کمال تقوےٰ، کمالِ اتباع سنت اور کمال محبت خدا و رسولؐ تھا جو روح کی طرح اُن کے تمام عادات و افعال اور سارے ہی اخلاق و شمائل میں دوڑا ہوا تھا جس سے وہ ہر وقت سرشار، اور اس کے عرفانی نشہ میں مست اور مستغرق تھے۔ ان کی تجارت و ملازمت، صنعت و حرفت، دولت و شوکت، امارت و غربت، عبادت و ریاضت، جہاد و دعوت، دین و دیانت کے معیاری مقام سے ذرہ بھر بھی گری ہوئی یا ہٹی ہوئی نہ تھی اور بالفاظِ دیگر اتباع و اخلاص کی وجہ سے سرتاپا دین ہی دین تھی۔ اس لئے دین کے اتباع کے ساتھ دنیا کے جس طبقہ پر دین کا جو رنگ بھی غالب ہو اور وہ دیانت کے جس رنگ میں بھی اپنی زندگی گذارنا چاہیے اسے صحابہؓ کی زندگی میں وہ نمونہ مل جائے گا جو اس دائرہ کی سنت سے مستنیر ہوگا۔ اور اس کی پیروی کرکے ایک انسان جس شعبۂ زندگی میں بھی بڑھنا چاہے اتباعِ سنت کے دائرہ سے باہر نہ ہوگا۔ پس حق تعالیٰ کا یہ کتنا بڑا فضل ہے کہ اس جامع دین کے دریا کے جو مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا ہے گھاٹ ہزاروں بنا دئے جو ہر سمت اور ہر گوشہ میں ہیں۔ ان کی سمتیں مختلف ہیں، رُخ الگ الگ ہیں۔ لیکن پانی ایک، اس کا ذائقہ ایک اور اس کی خوشبو واحد ہے۔ اگر اس عالمی دریا کا ایک ہی گھاٹ اور ایک ہی مشرب (جائے آب نوش) ہوتا اور مشرق و مغرب کے لوگ پابند کئے جاتے کہ وہ اسی ایک گھاٹ پر پہنچ کر پانی پئیں اور جمع کریں تو اس عالمی امت کے لئے زندگی دوبھر اور وبال جان ہو جاتی۔ اس لئے حق تعالےٰ نے صحابہؓ کی زندگی کے اتنے ہی نمونے بنا دئے جتنے زندگی کے گوشے اور اللہ تک پہنچنے کے رُخ ہو سکتے ہیں تاکہ اپنے اپنے ذوق کے مطابق ہر ہر اُمتی ان مختلف الجہات مشربوں اور رخوں سے اسلام کا آبِ حیات پیتا رہے اور اپنی روح کو سیراب کرتا رہے۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو صحابہ کرامؓ کی زندگیوں پر چلیں اور ان زندگیوں کو پیش کرکے دنیا کو اس پر چلائیں کہ یہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زرّیں نصیحت کی سچی پیروی اور کتاب و سنت کا صحیح اتباع ہے۔

اصحاب رسول اللہ پر تنقید کرنے والے کے لئے شفاعت مباح نہیں ہوگی

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں اپنی امت کے شریر افراد کے لئے بہترین آدمی ہوں۔ اس پر کے ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) جب آپ شریروں کے لئے ایسے ہیں تو امت کے بھلوں کے لئے کیسے ہوں گے؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے بھلے اپنے اعمال کے ذریعہ جنت میں چلے جائیں گے۔ اور میری امت کے شریر میری شفاعت کا انتظار کریں گے۔ سن لو! کہ میری شفاعت میری تمام امت کے لئے قیامت کے دن مباح ہوگی مگر اس آدمی کے لئے نہ ہوگی جو میرے اصحاب میں نقص نکالے گا۔

(کذا فی الکنزہ ۲۷۲)

مختصر یہ ہے کہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معیارِ حق و صداقت ہیں اور ان کی تنقیص کرنے والا شفاعت سے محروم رہے گا۔

بقیہ: اداریہ

چنانچہ آج جب کہ نئی پود میں بے راہ روی اور بے دینی کے جراثیم پوری تیزی کے ساتھ سرایت کر رہے ہیں ہم حکومت پاکستان سے خدا و اسلام اور پاکستان کے تحفظ و بقاء کے نام پر اپیل کرتے ہیں کہ وہ خلاف اسلام سرگرمیوں کا قلع قمع کرے اور مدارس میں علوم جدیدہ کے ساتھ ساتھ کتاب و سنت کی تعلیمات کا بھی خاطر خواہ انتظام کرے ہمیں اپنے صدر مملکت سے توقع ہے کہ جس طرح انہوں نے اپنے دیگر مواعید کو پورا کرنے کے لئے عملی اقدام کئے ہیں اسی طرح اس ملک میں اسلام کو بالادستی دلانے کے لئے بھی وہ ٹھوس اور بھرپور قدم اٹھائیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر وہ دستور اسلامی نافذ کرنے اور معاشرہ کو اسلامی رنگ میں ڈھالنے کے لئے اقدام کرنے میں کامیاب ہو گئے تو نہ صرف تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا اور پاکستان دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے گا۔ بلکہ اللہ کی نصرتیں بھی پاکستان کے شامل حال ہو جائیں گی اور یہ ملک ہر میدان میں سربلند و سرفراز رہے گا۔

خط وکتابت

کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں۔

مجلسِ ذکر — ۳ ر رجب المرجب ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۹۶۸ء

توکّل علی اللہ

از: حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم —— مرتبہ: محمد عثمان غنی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی: اَمَّا بَعْدُ:—

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ:—

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا ۙ وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ ؕ

(پ ۲۸ س الطلاق آیت ۲، ۳)

ترجمہ: اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے نجات کی صورت نکال دیتا ہے اور اسے رزق دیتا ہے جہاں سے اُسے گمان بھی نہ ہو۔ اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے سو وہی اس کو کافی ہے۔

توکّل کا صحیح مفہوم

مسلمانوں میں اسلام کی صحیح تعلیمات نہ ہونے کی بنا پر بعض اسلامی اصولوں کے غلط معنیٰ اور مطالب اخذ کئے گئے ہیں ان میں سے ایک "توکّل" بھی ہے عام طور پر توکّل کا یہ مطلب سمجھا جاتا ہے کہ انسان خود کچھ نہ کرے اور ہر کام کو خدا کے سپرد کر دے۔ حالانکہ توکّل کے صحیح معنیٰ یہ ہیں کہ انسان اپنی سی پوری کوشش کرکے نتیجہ خدا کے سپرد کر دے۔ ع

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

یہاں چت بھی اپنی اور پٹ بھی اپنی۔ یعنی اگر کامیاب و کامران ہوتے ہیں تو فَھُوَ الْمُرَاد۔ نہیں، تو مالک جس حال میں رکھے۔ رضائے مولیٰ بر ہمہ اولیٰ۔ ہمیں سرِ مُو اس سے انحراف کا حق نہیں۔

رضائے مولیٰ بر ہمہ اولیٰ کا عملی نمونہ

سید الطائفہ حضرت حافظ محمد صدیق (بھرچونڈی) رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے صحیح معنیٰ میں متوکّل علی اللہ بزرگ تھے۔ اُن کے متعلق اکابر سے سنا ہے کہ جب کبھی دردِ گردہ کا حملہ شدید ہوتا تو اس وقت اپنی زبان مبارک سے یہ بیت پڑھا کرتے تھے:

لطفِ سبحٰن دم بہ دم — قہرِ سبحٰن گاہ گاہ
این بہ سبحٰن واہ واہ — آں بہ سبحٰن واہ واہ

انسان کے ذمہ کوشش ہے

قرآنِ حکیم میں آتا ہے وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۙ (پ ۲۷ س النجم آیت ۳۹) انسان کے ذمے ہے کوشش اور محنت، اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ ط کوشش ہماری طرف سے ہے اور تکمیل پہنچانا، یہ اللہ کے ذمے ہے۔

حضرت علیؓ کا قول

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ ط میں نے اپنے مالک کو اپنے عزم بالجزم کی شکست و ریخت کی بناء پر ہی جانا پہچانا۔

اب توکل کے معنیٰ یہ ہوتے خلاصہ کہ انسان اپنی سی کوشش کرکے نتائج اللہ پر چھوڑ دے۔ یہ ہے توکل کا صحیح مفہوم۔

حضرتؒ کا ارشاد

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے حضرت دین پوریؒ، حضرت امروٹیؒ اور حضرت سندھیؒ سے توکّل سیکھا۔ چنانچہ جہاں تک ان کے ہاتھ میں وسائل ہوتے تھے وہ راہِ خدا میں داؤ پر لگانے میں ذرا ہچکچاہٹ نہ کرتے۔ اور نتائج سے بے پروا ہو کر مطلق رہتے تھے کہ ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حسابِ کم و بیش را

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا توکّل

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح جو دمڑی پیسہ ہوتا اپنے ہاتھ میں رکھنے کے حق میں نہیں تھے۔ راہِ خدا میں فوراً لٹا دیتے تھے ادھر بسا اوقات بڑی بڑی سیاسی مہموں میں حصہ لیتے ہوئے ذرا تردّد نہ فرماتے لیکن اللہ تعالیٰ بھی ؎

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

کے اصول کے مطابق کبھی مایوس نہ فرماتے تھے۔ بسا اوقات بڑی بڑی حکومتوں سے وہ ٹکرا جاتے اور ان کے خلاف اپنی پوری صلاحیتیں وقف فرما دیتے۔ مثلاً ان اکابر علماءِ حق نے یہ اسکیم سوچی کہ ہندوستان کو انگریز کی غلامی کے جُوئے سے چھٹکارا دلا کر عربوں، ترکوں وغیرہ کو ساتھ ملا کر اسلام کا پرچم لہرائیں۔ اس سلسلے میں قدرتی طور پر رجحان افغانستان اور ترکیہ پر تھا کہ کسی نہ کسی طرح اِن ہر دو دُوَلِ اسلامیہ کی امداد و تعاون سے آزادیٔ ہند کا مقصد حاصل کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے کس قدر فنڈز (FUNDS) کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ مگر انہوں نے اس بات کے لئے ایک لمحہ بھی غور نہ کیا اور اپنے مشن پر چل پڑے۔ لیکن خدا کا کرنا کہ پورے طور پر وہ مقصد تو ہاتھ نہ آسکا مگر سَو فیصد ناکام بھی نہ رہے۔

حضرتؒ کی وفات پر

مولانا داؤد غزنویؒ کا بیان

اسی طرح حضرتؒ حضرت سندھیؒ کی زیرِ تربیت اور تعلیم بعض واقعات و حالات سنایا کرتے تھے اور پھر اس تربیت کے نتیجے میں اپنے ساتھ بھی جب اس قسم کے حالات پیدا ہوتے تو خدا کے فضل سے وہ اس میں کامیاب نکلے۔ مثلاً مولانا داؤد غزنویؒ نے حضرتؒ

کے وصال پر ایک اخباری بیان میں فرمایا تھا کہ حضرت لاہوریؒ نے اسلام کی تبلیغ میں جو حصہ لیا اور جن مشکلات کا آپؒ نے خندہ پیشانی کے ساتھ مقابلہ کیا، آج کا نوجوان اسے سوچ بھی نہیں سکتا۔

حضرت شیخ التفسیرؒ کی آزمائش اور آپؒ کی ثابت قدمی

چنانچہ ایک دفعہ ہماری تربیت کے لئے حضرتؒ نے ایک واقعہ سنایا، کہ مجھے ماں باپ نے پیدائش سے پہلے دین کے لئے وقف فرما دیا۔ ظاہر ہے کہ میرے لئے دنیوی کاروبار میں حصہ لینے کی قطعاً کوئی گنجائش نہ رہی۔ خدا کی قدرت اللہ نے ہمیں دین کی خدمت کے لئے قبول فرما لیا، اور ناتجربہ کاری کی بنا پر ہم سے ایک چوک ہو گئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ لاہور کے ابتدائی ایّام میں اللہ تعالٰے نے دین کی خدمت سرانجام دینے کے لئے ہمیں اپنی عنایات سے سرفراز فرمایا جس کا ہم جس قدر بھی شکر ادا کرتے کم تھا لیکن غلطی یہ ہو گئی کہ ہمارے ایک رشتے کے ماموں تھے وہ بچارے بچوں کو قرآن پڑھانے کا کام سرانجام دیتے تھے۔ چنانچہ ان بچاروں نے کہا "آپ حسبۃً لِلّٰہ دین کی خدمت کرتے ہیں، اگر کچھ رقم ہو تو ہمیں عنایت فرمائیں۔ سستے زمانے میں اناج خرید کر مہنگے سمے میں اسے فروخت کر کے آپ کی رقم ادا کر دیں گے اور ہم بھی دین کی خدمت لوجہ اللہ شروع کر دیں گے۔" لیکن اللہ تعالٰے کو یہ بات پسند نہ آئی۔ ہوا یہ کہ فتوحاتِ غیبی رک گئیں۔ اس دوران گھر میں فاقہ کشی تک کی نوبت آ گئی گر حضرتؒ نے اشارے کنائے سے بھی اللہ کے سوا کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلائے۔ اور بچوں میں تو اس وقت کوئی بڑی عمر کا نہ تھا، اس بات پر ہمیشہ شکر ادا کیا کرتے تھے کہ ان کے گھر میں سے بھی فاقہ کشی کے دوران بھی اپنے کھاتے پیتے گھرانے یعنی والد ماجد اور بھائیوں کے گھروں تک جو ان کے گھر سے چند فرلانگ کے فاصلے پر تھے کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے اگر ہم کسی سے قرض مانگتے تو اللہ کے فضل سے واقفیت تھی، سب لوگ دیتے، مگر ہمارے پاس کون سا ذریعۂ آمدنی تھا جس سے اس قرض کی ادائیگی کرتے؟ باقی اللہ کے علم میں تو یہ حالت بھی تھی اور اگر وہ اس حال میں رکھنے پر راضی ہے تو ہم بھی رضائے مولیٰ پر راضی ہیں۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت سندھیؒ نے تربیت ہی ایسے سخت پیمانے پر کی کہ اس وقت تو ہم اس حکمت سے ناواقف تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ شاید مجھ سے زیادتی ہو رہی ہے، لیکن اب جب کہ آزمائش میں اللہ نے ڈالا تو خدا کا شکر کیا کہ انہوں نے تربیت ہی ایسے ڈھنگ پر کی تھی کہ حرام یا مشتبہ مال حاصل کرنے یا کسی غیر اللہ کے سامنے اپنے احوال بیان کرنے یا ہاتھ پھیلانے سے اللہ نے محفوظ رکھا۔ اللہ والے کہا کرتے ہیں۔ حکایتِ حال بھی شکایتِ ذوالجلال ہے۔

انتہائی تنگی کا زمانہ

حضرتؒ واقعہ بیان کیا کرتے تھے کہ اُمّ الحبیب یا اُمّ عائشہ (یعنی ہماری والدہ مرحومہ) کے جو زیورات تھے وہ بیچ بیچ کر ہم نے مکان کرائے پر خرچ کر دئے۔ کچھ رُوکھا کچھ سوکھا کھا کر، کچھ بچوں کو کھلا کر گذارہ کیا۔ جب نوبت اس حد تک پہنچی کہ اللہ کے نام کے سوا گھر میں کچھ نہ رہا تو گھر میں دال ہوئی تو وہ بھی اُبال کے نمک مرچ ڈال کے بچوں کو پلا دی، ہُوا تو دو ایک گھونٹ خود بھی لے لئے یا ہُوا تو ایک آدھ پیاز ہی گھر سے اگر نکل آیا تو وہ ہی اُبال کے بچوں کو پلا دیا اور خود راضی بہ رضائے مولیٰ رہتے۔

بعض احباب کا جذبۂ خدمت اور حضرتؒ کا انکار

چند دن بعد حضرتؒ کی عدم موجودگی میں کچھ اجنبی شخص مہینے بھر کا پورا راشن گھر میں دے گئے۔ حضرتؒ بڑے حیران پریشان ہوئے اور اس تلاش اور ٹوہ میں رہے کہ آخر یہ چیزیں کون میری عدم موجودگی میں گھر میں پہنچا گیا؟ جب کہیں پتہ نہ چلا، سب طرف سے مایوسی ہوئی تو اس زمانے میں درسِ عمومی بعد نمازِ فجر اور درسِ خصوصی مغرب اور عشاء کے درمیان ہوتا تھا۔ درسِ عمومی میں تو ہر مرد و عورت کے لئے گویا کہ اذنِ عام تھا لیکن درسِ خصوصی محض تعلیم یافتہ انگریزی دان حضرات کے لئے جاری کیا گیا تھا جس میں کچھ پروفیسر، کچھ وکیل، کچھ استاد، کچھ اونچی جماعتوں بی اے۔ ایم اے وغیرہ کے سٹوڈنٹ، کچھ صحافی، کچھ ریٹائرڈ آفیسرز اور کچھ کلرک، یہ ملی جلی جماعت تعلیمیافتہ حضرات کی شامل ہوتی۔ اس طرز پر جس طرز پر حضرتؒ تین ماہ میں علماء کرام کو قرآن مجید کے ہر رکوع کا خلاصہ رٹایا کرتے تھے۔ اسی طرز میں ان تعلیمیافتہ حضرات کی تعلیم کئی برس میں جا کر تکمیل پذیر ہوتی تھی اور اس جماعت کو حضرت حجۃ اللہ البالغہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، نخبۃ الفکر اور مشکوٰۃ شریف بھی پڑھاتے تھے۔ حضرتؒ نے اس جماعت کے ایک ایک فرد کو تنہائی میں بلا کر قسمیں دے کر پوچھا، اُن میں سے بعض نے یہ اقرار کیا کہ اللہ نے ہمارے دل میں ڈالا۔ آپ نے تو کبھی اشارے کنائے سے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ آپ ہمیں منع نہ کریں، مجبور نہ فرمائیں۔ اور ان میں سے بعض نے یہ کہا کہ ہم سے یہ برداشت نہیں ہوتا کہ ہمارے استاذ اور شیخ تو فاقہ کشی کریں اور ہم دولت سے گلچھڑے اڑائیں۔ ان حضرات نے بھی یہی کہا کہ آپ ہمیں منع نہ فرمائیں کہ ہمارا آپ پر احسان نہیں ہے، آپ کا ہم پر احسان ہے۔ آپ نہ کوئی معاوضہ قبول کرتے ہیں، نہ کبھی اظہارِ حقیقت فرماتے ہیں۔ ان حضرات کو حضرتؒ نے بڑی مشکل سے اس بات پر آمادہ کیا۔ حضرتؒ نے فرمایا۔ کہ بھائی! بات یہ ہے کہ اب جب گھر میں چاول نہیں ہوتے، آٹا نہیں ہوتا تو میں اللہ کے حضور ہاتھ پھیلاتا ہوں اللہ کے دروازے سے بھیک مانگ کے کھاتا ہوں۔ لیکن اب صورتِ حال

مختلف ہو گئی ہے۔ اس صورت میں اور اس صورت میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور جب گھر میں لکڑیاں، آٹا، چاول وغیرہ اشیاء نہ ہوں گی تو مجھے خیال آئے گا کہ مہینے کی آخری تاریخیں ہیں۔ چند دنوں میں مہینہ ختم ہوا چاہتا ہے میرے دوستوں کی تنخواہیں آئیں گی، وہ راشن لائیں گے تو ہم کھائیں گے۔ تو اب تم ہی بتاؤ کہ اس صورت میں تو مجھے اعتماد علی اللہ اور توکل پر بھروسہ تھا اور اس صورت میں مجھے اللہ سے اعتماد اٹھ کر انگریز کے خزانے اور تمہاری تنخواہوں پر ہو جائے گا۔ تو بتاؤ یہ میری ترقی ہے یا تنزل؟ یہ ایک خادمِ کتاب اللہ کے کسی طرح بھی شایانِ شان نہیں۔ لہٰذا میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ آئندہ میرے گھر کوئی دمڑی، پیسہ، پائی کی چیز کبھی نہ بھیجنا۔ فرمایا کرتے تھے کہ میرے شدید اصرار اور انکار کے باوجود وہ بڑی لیت و لعل کرتے رہے، اور جب میں نے حکماً انہیں بند کیا تب جا کر کے وہ اس پر آمادہ ہوئے۔

اپنی غلطی کا احساس

حضرت اکثر فرمایا کرتے تھے کہ در اصل غلطی ہماری تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رزق اس لئے دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا رزق کھاؤ اور اطمینان سے دین کی خدمت کرو۔ لیکن ہم نے ان کی نیک خواہش کے پیشِ نظر اُنہیں رقم دے دی جس پر خدا کی طرف سے گرفت ہوگئی۔ ہمیں اس صورتِ حال کا بعد میں اندازہ ہوا۔

حضرت امروٹی رح کی خدمت میں حاضری

چند دن بعد اللہ نے اتنا کرایہ بھجوایا کہ اپنے شیخ حضرت مولانا سیّد تاج محمود امروٹی رح کی خدمت میں جا کر اپنی اس غلطی کا اعتراف کروں۔ سو میں امروٹ شریف گیا اور جاتے ہی میں نے حضرت شیخ رح کو سارا واقعہ کہہ سنایا۔ تو انہوں نے سندھی زبان میں ارشاد فرمایا "جا پٹ تو نہ بے لائے ڈین رات دعاؤں تھا گھروں" (جاؤ بیٹا! میں تمہارے لئے دن رات دعائیں کرتا ہوں) اور اس کے ساتھ سورۂ یٰسٓ شریف پڑھنے کی خاص طریقے سے اجازت عطا فرمائی۔

آزمائش کا دور ختم ہوا

سو اسی دن سے ہماری آزمائش ختم ہو گئی اور آتے ہی پھر لہر بہر شروع ہو گئی۔ مسجدیں بننے لگ گئیں مدارس جاری ہونے لگ گئے اور پہلے سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر خدمتِ دینِ متین کی اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی۔

حضرت کے فرزندِ اکبر مولانا حبیب اللہ صاحب کی ہجرتِ مدینہ

نہ صرف یہ کہ حضرت رح نے خود ساری زندگی توکل کے ماتحت گذاری کہ نہ تو انہوں نے ساری زندگی کسی مسجد، کسی مدرسہ، کمیٹی وغیرہ سے کوئی کسی قسم کا معاوضہ یا تنخواہ اپنی ذات اور اہل و عیال کی خاطر کسی قسم کا کوئی چندہ ونده وصول کیا اور نہ ہی آئندہ اپنی جماعت اور اپنی نسل اور خاندان کو اس کی اجازت ہی دی۔ خدمتِ دین رضائے الٰہی اور نجاتِ آخرت کے پیشِ نظر ہی جاری رکھتے، اپنے اہل و فرزند اور اپنی جماعت کو تلقین فرماتے کہ وہ بھی دین کا کام حسبۃً للّٰہ اور خالصۃً لوجہ اللہ ہی کریں اور اگر دنیا کمانے کا کسی کو شوق ہے تو اُن کا حکم یہی تھا کہ خدمتِ دین کی بجائے تجارت کو اپنا مشغلہ بنا لو۔ کیونکہ وہ فرماتے کہ تبلیغ علیٰ منہاج النبوۃ کا طریق تو بہر حال یہی ہے جو انبیاء کرام نے بھی پیش فرمایا۔ اور اکثر و بیشتر ارشاد فرماتے کہ میں خدا کا جس قدر شکر ادا کروں کم ہے کہ اس نے میری زندگی میں میرے فرزندِ اکبر حافظ مولوی حبیب اللہ سلمہٗ کو حرمین الشریفین میں میرے ہی طریق پر خدمتِ دینِ متین کو جاری رکھنے کی توفیق سے سرفراز فرمایا ہے۔ چنانچہ جب وہ تقسیم ملک سے کچھ ہی عرصہ بعد دوسری دفعہ حج کے ارادے سے تشریف لے گئے تو شروع میں چند ماہ وہاں قیام کی حضرت رح سے اجازت لی۔ پھر دھیرے دھیرے انہوں نے وہیں تا زیست قیام کا ارادہ فرما لیا اور حضرت رح نے بھی وہاں سے انہیں پاکستان بلانے پر جبر نہیں کیا بلکہ شیخ الہند ثانی حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح کے ارشاد پر انہوں نے وہاں سلسلۂ درس و تدریس شروع فرمایا تو وہاں عجیب صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑا۔

حجاز کے نظام سے حضرت رح کے اصول کا ٹکراؤ

وہاں تمام مساجد و مدارس اور حرمین کے آئمہ، خطباء اور مدرسین کرام کو شاہی خزانے سے ایک معقول معاوضہ دیا جاتا ہے۔ ادھر حضرت رح نے اپنی اور اپنی اولاد کے لئے خدمتِ دین پر کسی قسم کا معاوضہ حرام قرار دے رکھا ہے۔ اب وہاں کا اور حضرت رح کے اصول کا لامحالہ ٹکراؤ ہونا ہی تھا اور وہ ہو کے رہا۔

مولانا حبیب اللہ صاحب اور دیگر آئمہ وخطباءِ حجاز

وہاں کا ایک ضابطہ تو یہ ہے کہ بلا اجازتِ حکومت کوئی شخص درس و تدریس جاری نہیں کر سکتا۔ حکومتِ وقت اپنے نمائندوں کی معرفت بلاواسطہ تحریری امتحان لیتی ہے اور پھر اپنی صوابدید کے مطابق پورے اطمینان کے بعد کسی عالم کو درس و تدریس کی باضابطہ اجازت دی جاتی ہے اور پھر اسے ایک معقول مشاہرہ ہی نہیں پیش کیا جاتا بلکہ امراء و سلاطینِ دولِ اسلامیہ جب کبھی زیارت حرمین الشریفین کے لئے تشریف لے جاتے ہیں تو وہ بھی اپنے ہدایا اور تحفہ جات سے ان مدرسین کرام کو ضرور نوازتے ہیں۔ تو ضمناً ایک مشکل پیدا ہو جاتی ہے کہ ان واجب العزت آئمہ و مدرسین کرام کو ان کے سلام اور اعزاز کے لئے بھی بہرکیف حاضر ہونا پڑتا ہے۔

مولانا حبیب اللہ صاحب کیلئے دوسری اڑچن

یہاں بھی حضرت رح کا مسلک اس معاملے میں ذرا مختلف ہی ہے۔ سو حضرت مولانا شیخ حبیب مدظلہ العالیہ کا باضابطہ تحریری امتحان ہوا اور انہیں باقاعدہ حرمین میں درس کا سرٹیفکیٹ

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

سلام فی الاسلام

یعنی

اسلامی طریقۂ سلام کی اقوام عالم کے طریقۂ سلام پر فوقیت

جامع شریعت و طریقت وقار العلماء والصلحاء حضرت مولانا بشیر احمد پسروری مدظلہٗ

دنیا بھر میں انسانوں کا معمول ہے کہ جب دو آدمی آپس میں ملتے ہیں مقصد کی بات چیت سے پہلے کچھ کلمے کہتے ہیں ایسے الفاظ کو سلام کا کلمہ کہتے ہیں۔ ہر قوم میں سلام کے کلمات جدا جدا قسم کے ہوا کرتے ہیں۔ لیکن سب قوموں کے طریقۂ سلام سے بہترین طریقہ وہی ہے جو اسلام نے انسانوں کے لئے تجویز کیا۔ اور مسلمانوں نے اسے قبول کیا۔

اس وقت ناظرین کرام کے سامنے چند قوموں کے طریقۂ سلام کو سامنے رکھ کر اسلامی طریقہ کی فضیلت اور برتری واضح کرنی ہے۔

اقوام اور ان کے طریقہائے سلام

آریہ سماج، سناتن دھرم، سکھ، عیسائی، افغان، مسلمان جٹ۔

آریہ سماج ہندوؤں کا ایک جدید فرقہ ہے۔ یہ ملاقات کے وقت سلام کے لئے کہتے ہیں "نمستے"۔ اس کا معنی ہے کہ میں جناب کی تعظیم کرتا ہوں۔ یہ فقرہ مختصر بھی ہے اور آسان بھی۔ چھوٹا بڑا، پڑھا لکھا، ان پڑھ شہری، دیہاتی سب آسانی کے ساتھ اسے کہہ سکتے ہیں۔ اور اس کا مضمون بھی اچھا ہے۔ لیکن اس میں بہت بڑا نقص یہ ہے کہ اس کے استعمال میں ایک پہلو اچھا ہے اور دوسرا نہایت ہی مکروہ اور ناپسندیدہ۔ مثلاً بیوی اور خاوند، شاگرد اور استاد، بیٹا اور باپ، ماتحت اور افسر، بیٹی اور ماں، چھوٹا اور بڑا، چیلا (مرید) اور گورو (یعنی پیر و مرشد) بہو اور ساس، قیدی اور جیلر، مجرم اور سپاہی۔ اب ان چھ صورتوں میں ایک طرف سے نمستے کہنا ٹھیک ہے لیکن دوسری صورت میں نمستے کہنا مناسب نہیں۔

کیا پولیس کا سپاہی بدمعاش مجرم کو، جیل کا کوئی افسر اخلاقی قیدی کو، بڑا چھوٹے کو، باپ بیٹے کو، دادا و دادی پوتے کو، خاوند اپنی بیگم کو یعنی دھرم پتنی (بیوی) کو، مرشد یا استاد اپنے مرید یا شاگرد کو نمستے کہہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، کبھی نہیں لہٰذا یہ طریقہ عقلاً ناپسندیدہ اور معیوب ہے۔

سناتن دھرمی یہ فرقہ ہندوؤں کا پرانا اور بہت قدیمی فرقہ ہے۔ یہی فرقہ ویدک اور پُران کا پرانا عامل ہے۔ یہ سلام کے وقت کہتے ہیں (جے رام) جواب میں کہتے ہیں (جے سیتارام) اس کا معنی ہے رام زندہ باد، سیتا زندہ باد، کئی ہزار برس ہوئے کہ رام اور اس کی بیوی سیتا دونوں سورگ باش یا فوت ہو گئے ہیں۔ اب زندہ باد کہنے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور نہ ہمیں کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

سکھ یہ لوگ میل ملاپ کے وقت کہتے ہیں "ست سری اکال"، جواب ست سری اکال۔

اس کا معنی یہ ہے۔ ست کا معنی برحق۔ سری کا معنی بزرگ، اکال کا معنی خدا۔ یعنی سچا خدا برحق ہے۔

اس میں اتنی بات اچھی ہے کہ خدا کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے۔ لیکن اس میں کہنے اور سننے والے کے لئے تھوڑی سی بھی دعا نہیں۔ لہٰذا یہ بھی مکمل نہیں۔

عیسائی دنیا میں عیسائی قوم کو کافی اکثریت حاصل ہے اور یہ اپنے آپ کو مہذب بھی سمجھتے ہیں۔ لیکن ان کا طریقۂ سلام دنیا بھر کے طریقۂ سلام سے زیادہ نکمّا ہے، لغو اور بے ہودہ، لچر اور بے معنی ہے۔

عیسائیوں کے سلام کا طریقہ

صبح سویرے کا سلام:۔
گڈ مارننگ ترجمہ اچھی صبح

دوپہر کا سلام:۔
گڈ نون ترجمہ اچھی دوپہر

بعد از دوپہر کا سلام:۔
گڈ آفٹر ترجمہ اچھی بعد از دوپہر

شام کا سلام:۔
گڈ ایوننگ ترجمہ اچھی شام

رات کا سلام:۔
گڈ نائیٹ ترجمہ اچھی رات

الوداعی سلام:۔
گڈ بائی:۔ ترجمہ اچھی جدائی

۱۔ یہ سب جملے ناقص اور ادھورے ہیں (۲) اتنے زیادہ جملے یاد رکھنا مشکل ہیں (۳) ہر وقت کے مناسب سلام کا یاد رکھنا دماغ پر بوجھ ہے (۴) کوئی کلمہ بھی تسلی بخش معنی نہیں دیتا (۵) سب ادھورے جملے ہیں۔

دنیا میں افغان ایک باعزت اور باوقار قوم موجود ہے۔ پٹھانوں کا اسلامی سلام کے علاوہ ایک اپنا پرانا سلام بھی ہے۔ جو اب بھی بول چال میں استعمال کیا جاتا ہے وہ ایک دلچسپ سلام ہے۔

ناظرین کو معلوم ہے کہ افغان ایک تجارت پیشہ اور بلند ہمت بہادر قوم ہے۔ یہ عموماً سفر میں ہی رہتے ہیں۔ شاعر نے شاید ان کے متعلق ہی کہا ہے ؎

ہر صبح سفر ہر شام سفر
اس زندگی کا انجام سفر

کابل تا چین، پشاور تا بمبئی۔ گویا یہ دنیا بھر کے مسافر ہیں۔ دنیا کی فاتح اقوام میں ان کا مقام بلند ہے اور ہونا بھی چاہئے۔ کیونکہ یہ نسلاً و نسباً سیدنا حضرت یعقوب علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے ہیں۔ قرآن مجید کے چوتھے پارہ میں ان کو آزاد سلطنت ملنے کا صرف ایک طریقہ بتایا گیا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ یعنی دینِ حق کو قبول کر لیں ـــ سو سیدنا حضرت امیر عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں افغانستان میں اسلام کا

نور پھیلنا شروع ہوا۔ اور خلافت ثالثہ میں سارا افغانستان اسلام قبول کر چکا تھا۔ تب سے اب تک افغان آزاد اور فرمانروا چلا آتا ہے۔ خیر بہر حال پٹھان چونکہ ہمیشہ سفر میں رہتا ہے۔ اس کی ولادت اور وفات و دیگر زندگی سفر میں گذرتی ہے۔ اس لئے ان کا طریقۂ سلام اُن کے حال کے بالکل مطابق ہے

پٹھانوں کا قومی سلام

اِسْتڑِ مَسے معنی تھکنا مت۔
جُوڑ وُ سے ترجمہ۔ ہمیشہ صحت کے ساتھ مضبوط اور تکڑا رہنا۔
دُوغُوش مسے ترجمہ ہمیشہ صحت اور آرام کی پُربہار دنیا میں تروتازہ رہنا۔

پٹھان جانتا ہے کہ سفر کا قبر تک ساتھ ہے لہٰذا ایک دوسرے کو تسلی اور دلیری دیتے رہتے ہیں۔ پرانی دنیا میں حضرت علامہ جمال الدین افغانی، سلطان الصالحین فاتح ہندوستان حضرت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہم کے سفر مشہور ہیں اور موجودہ دور میں شیر سرحد وقار افغانان عالم حضرت مولانا الحاج مفتی محمود خان صاحب اور حضرت الحاج مولانا غلام غوث خان صاحب کے مجاہدانہ دورے مثالی دورے ہیں۔

اسلامی طریقۂ سلام

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا۔

ترجمہ: اور جب تمہیں دعا اور سلام کے ذریعے لمبی عمر کی دعا دی جائے تو تم بھی اس کو بہترین الفاظ میں جواب دو یا ویسا ہی جواب کہو۔ بے شک اللہ تعالےٰ ہر ایک چیز کا حساب لینے والا ہے۔

تفسیر: تحیۃ کا لفظ حیاۃ سے بنایا گیا ہے اس کی مصدر حیاۃ ہے۔

حَیَّاکَ اللہ (زندہ باد۔ جیتے رہو) کو چھوڑ کر مروجہ سلام کہنے کی تعلیم دی گئی۔ کیونکہ عمر دراز اگر دُکھ درد اور مصیبتوں کے ساتھ ہو تو اس سے تھوڑی زندگی بہت بہتر ہے جو راحت اور امن چین سے ہو۔

اسلامی سلام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

(ترجمہ) اللہ تعالےٰ آپ کو ہر قسم کی راحت سلامتی نصیب فرمائے۔ سدا سکھی رہو۔ ہر قسم کی ہر آفت سے ہمیشہ اللہ تعالےٰ محفوظ رکھے۔ دنیا اور آخرت میں بمعہ متعلقین ہر قسم کی سختی اور عذاب سے بچے رہو اور تمام متعلقین کو آرام نصیب ہو۔

سلام کہنے کے فضائل

حدیث ۱: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اسلام کی تعلیم میں سب سے بہترین عمل کون سا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (۱) یہ کہ تو کھانا کھلائے (۲) دوسرا یہ کہ ہر مسلمان کو سلام کہے واقف ہو یا نہ ہو۔

حدیث ۲: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا۔ جب تک ایمان نہیں لاؤ گے۔ تب تک جنّت میں داخل نہیں ہو سکو گے۔ اور اللہ تعالےٰ کے ہاں اس وقت تمہارا ایمان مکمل ہوگا۔ جب تم آپس میں محبت اور پیار کے جذبہ کو بڑھاؤ اور پھیلاؤ گے۔ کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں کہ جب تک تم اس کام کو کرتے رہو اور کرتے چلے جاؤ۔ تو محبت کا سلسلہ بڑھتا اور پھیلتا چلا جائے گا۔

حدیث ۳: حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ اے لوگو! آپس میں سلام کہنے کے طریقہ کو بہت پھیلاؤ اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحمی کر کے تعلقات کو استوار اور خوشگوار بناؤ اور جب غافل دنیا سوتی ہو تو تم اٹھ کر نماز تہجد ادا کرو۔ جب اللہ کی عبادت اور مخلوق کی خدمت کروگے تو عذاب سے بچ کر امن اور چین کے ساتھ جنت میں جاؤ گے۔

حدیث ۴: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آنے والے نے مجلس میں پہنچ کر السلام علیکم کہا اور بیٹھ گیا۔ جنابؐ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا۔ دس نیکیاں۔ پھر دوسرا آدمی آیا۔ اور السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہہ کر بیٹھ گیا۔ جنابؐ نے جواب کے بعد فرمایا بیس نیکیاں۔ پھر تیسرا آیا وہ پورا سلام کہہ کر بیٹھ گیا۔ جنابؐ نے جواب کر فرمایا تیس نیکیاں۔

حدیث ۵: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ اگر کوئی السلام علیکم کہتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں و رحمۃ اللہ کا لفظ بڑھا دیتے۔ اگر کہنے والا دونوں جملے کہتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں تیسرا جملہ شامل کر لیتے تھے اور اگر کہنے والا پورا السلام کہتا تو جواب میں آپؐ بھی تینوں جملے ارشاد فرماتے۔ تین جملوں پر کچھ نہیں بڑھاتے تھے۔

صحابہ کرامؓ کی بدعت سے سبق آموز نفرت

حدیث ۶: حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں ایک آدمی نے حاضر ہو کر مکمل سلام کے ساتھ چوتھا جملہ اضافہ کیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ کہ بس بھائی! مسنون سلام برکاتہٗ تک ختم ہو چکا ہے۔

سبحان اللہ! صحابہ کرامؓ دینی کاموں میں تھوڑی سی زیادتی بھی برداشت نہیں فرماتے تھے۔ فوراً اپنی زبان سے مناسب تنبیہ فرما دیتے تھے۔

سلام کے متعلق دیگر آداب و مسائل

سلام کی ابتداء حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو انہیں فرمایا۔ کہ یہ سامنے فرشتے ہیں انہیں جا کر سلام کہو پھر سنو کہ وہ تمہارے سلام کا کیا جواب دیتے ہیں جو کچھ وہ کہیں وہ تیری نسل میں تحفہ کے طور پہ رائج کیا جائے گا۔

حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں کے پاس پہنچے اور کہا السلام علیکم ــــ فرشتوں نے جواب میں رحمۃ اللہ کا لفظ بڑھا دیا۔

مسئلہ ۲: جواب دینے والے کو مناسب ہے کہ بلند آواز سے جواب دے تاکہ وہ جواب سن سکے۔ جواب میں دیر کرنا گناہ ہے۔

مسئلہ ۳: سلام کہنا سنت ہے اور جواب دینا واجب۔

مسئلہ ۴: آنے والوں میں سے اگر ایک بھی سلام کہے تو سب کی طرف سے سنت ادا ہو جائے گی۔ اگر کوئی بھی نہ کہے تو سب کے سب ترک سنت کی وجہ سے گناہ گار ہوں گے۔

مسئلہ ۵: بیٹھنے والوں میں سے اگر ایک بھی سلام کا جواب دے دے تو سب کی طرف سے واجب ادا ہو جائے گا اگر کوئی بھی جواب نہ دے تو سب کے سب گناہگار

مسئلہ ۶: سوار کو مناسب ہے کہ پیدل چلنے والے کو سلام کہہ کر آگے بڑھے۔

مسئلہ ۷: پیدل چلنے والا راستے میں بیٹھنے والوں کو سلام کہہ کر آگے چلے۔

مسئلہ ۸: چھوٹوں کو چاہیئے کہ بڑوں کو سلام کہیں اور بڑے بھی شفقت سے پہل کریں تو بہتر ہے کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ ۹: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلام کہنے میں پہل کرنے والا خدا کے ہاں پسندیدہ ہے۔

مسئلہ ۱۰: ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن گذرتے ہوئے دُور بیٹھنے والوں کو زبان مبارک سے سلام کہہ کر ہاتھ مبارک سے اشارہ بھی فرمایا۔

(نوٹ) معلوم ہوا کہ کسی مصلحت کے پیش نظر زبان سے سلام کہتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ کرنا معیوب نہیں۔

جہاں سلام کہنا مکروہ ہے

۱- کوئی ٹٹی یا پیشاب کرتا ہو یا غسل خانہ، نہر، تالاب یا حمام میں ننگا نہا رہا ہو تو ایسی حالت میں سلام کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح کوئی سویا ہوا ہو یا اونگھ رہا ہو ــ قرآن شریف یا نماز پڑھ رہا ہو یا اذان دے رہا ہو یا جمعۃ المبارک کا خطبہ دے رہا ہو یا کسی گناہ کے کام میں مشغول ہو (جیسے ڈاڑھی منڈوا رہا ہے یا تاش کھیل رہا ہو، بھنگ چرس استعمال کر رہا ہے) سلام نہ کہے۔ نامحرم عورتوں کو بھی سلام کہنا گناہ ہے۔

(نوٹ) اسلامی تمدن میں نامحرم عورت کو سلام کہنا گناہ ہے لیکن پاکستانی تمدن میں مصافحہ کیا جاتا ہے مزید برآں اونچے طبقہ میں بوسہ کو بھی تکمیل ملاقات کا جزوِ اعظم بنا لیا گیا ہے۔

۲- اگر کسی مجلس میں مسلم اور غیر مسلم ملے جلے بیٹھے ہوں تو سلام کہتے میں مسلمانوں کی نیت کرے۔

۳- مرتد کو سلام کہا جائے نہ اس کے سلام کا جواب دیا جائے۔ اگر کہیں مجبوراً سلام یا اس کا جواب دینا پڑے تو یوں کہے۔ السام علیکم۔ وعلیکم السام یعنی سلام کے لام کو گرا دیا جائے (تفسیر خازن جلد ۱ پارہ ۵)

حضرت معاذ بن انس جہنی سے روایت ہے کہ ایک آنے والے نے کہا۔ السلام علیکم۔ دوسرے نے کہا۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ اور تیسرے نے و برکاتہ کا لفظ بڑھایا چوتھے نے کہا و برکاتہ و مغفرتہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ پہلے کے لئے دس نیکیاں، دوسرے کے لئے بیس، تیسرے کے لئے تیس اور مغفرتہ کا لفظ جس نے بڑھایا اس کے لئے چالیس نیکیاں۔ (رواہ بیہقی، ابوداؤد)

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی عادت مبارک تھی کہ سلام کے جواب میں ہمیشہ ایک جملہ بڑھا کر جواب دیتے تھے۔ میں نے ایک دن حاضر ہو کر کہا السلام علیکم جناب نے فرمایا وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ تیسری دفعہ میں نے کہا السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا۔ وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ برکاتہ و طیب صلواتہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنابؐ نے فرمایا۔ سلام کہنے کی عادت کو بہت عام کرو یہ بہت بڑا عمل صالح ہے اور بہشتی آپس میں ملاقات کے دوران ایک دوسرے کو سلام کہیں گے اگر مجلس والے سلام کا جواب نہ دیں تو فرشتے اس کے لئے سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔

مسلم کے حقوق

حضرت حارث بن شریح سے روائت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مسلم مسلم کا بھائی ہے۔ ہر ایک مسلم کے دوسرے مسلمان کے ذمہ یہ حق حقوق ہیں:۔

۱- سلام کہے اور سلام کا جواب دے۔

۲- بیمار پرسی کرے۔

۳- مسلم بھائی فوت ہو جائے تو اس کا جنازہ پڑھے۔

۴- بھولے ہوئے کو راستہ بتلائے۔

۵- مظلوم اور محتاج کی امداد کرے۔

۶- ظالم کو ظلم سے فاسق فاجر کو گناہ سے روکنے کے لئے ہمدردانہ کوشش کرے۔

۷- اگر وہ مشورہ طلب کرے تو بہت اچھا مشورہ دے۔

۸- اگر وہ مدد مانگے تو اس کی امداد کرے۔

۹- اگر برتن، بستر، چارپائی وغیرہ استعمال کی چیزیں مانگے تو استعمال کرنے کے لئے دے دے۔ (رواہ بیہقی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو مومن آپس میں ملتے ہیں اور دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرتے ہیں تو ان پر ایک سو رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ ان میں سے نوّے اس کو ملتی ہیں جو ملنے میں جلدی کرے اور زیادہ محبت و فراخدلی سے ملے (بیہقی)

صدقہ اور تحفہ

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ جنابؐ نے فرمایا کہ آپس میں بوقت ملاقات سلام کہنا بھی ایک بہترین تحفہ

ہے اور صدقہ و خیرات کا بہترین عمل ہے۔ (طبرانی، بیہقی)

تحیّہ اور تحفہ کی تکمیل

محدث کبیر حضرت سفیان بن عُیینہ کا ارشاد:-

فی قولہٖ اذا حییتم بتحیّۃ فحیّوا باحسن منھا ترون ھذا فی السلام وحدہ ھذا فی کل شیئٍ من احسنَ الیک فاحسِن الیہ و کافئہ فان لّم تجد فادع لہ و اَثنِ علیہ عند اخوانہ

ترجمہ: حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حسن جواب یا بہترین خطاب صرف سلام کہنے میں بند نہیں بلکہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے ہر ایک محسن کے ساتھ بہترین اور عمدہ سلوک کرے۔ اگر دینے کی ہمت اور طاقت نہیں تو اپنے محسن کے لئے اللہ تعالےٰ کے حضور میں نیک دعائیں کرے اور مجالس میں تعریف کرے اور احسانات کو فراخدلی کے ساتھ بیان کرے۔ (تفسیر درمنثور جلد دوم پارہ پنجم صـــــــ ۱۸۶،۹)

عیسائی مذہب کا طریقہ سلام

خلاصہ تمام مذاہب کے طریقۂ سلام سے نکما اور بے ہودہ ہے۔ اسلامی طریقۂ سلام سب سے بدرجہا بہتر ہے۔ موجودہ دَور میں سلام کہنے میں ایک خرابی یہ بھی ہے۔ ایک کہتا ہے — السلام علیکم۔ دوسرا بھی جواب میں کہہ دیتا ہے السلام علیکم۔ یہ طریقہ بہت معیوب اور شریعت میں ناپسندیدہ ہے۔ سلام کے جواب میں وعلیکم السلام کہنا واجب ہے۔ اس طرح سلام کہنے میں دونوں واجب کو چھوڑنے کی وجہ سے گنہگار ہوتے ہیں۔

اگر مجلس میں مل جل کر بیٹھے ہوں اور باہر سے آنے والا کسی ایک کا نام لے کر کہتا ہے تو جواب دینا بھی صرف اسی پر واجب ہے۔ اگر وہ جواب نہ دے تو گنہگار ہوگا۔

اللّٰھم صلّ علی سیدنا محمد و علی آل محمد بعدد کل ذرۃٍ مأۃ الف الفِ مرۃ و بارک وسلم علیہ۔

بقیہ: مجلس ذکر

دیا گیا۔ اور اللہ کے فضل سے وہ بہت مقبول بھی ہوا۔ مگر بیچ میں اڑچن یہ آ پڑی کہ حضرتؒ کے اصول کے مطابق وہ کسی قسم کا مشاہرہ، معاوضہ یا ہدیہ قبول نہ کرسکتے تھے اور اس کے بغیر وہاں اجازت نہ دی جاتی تاکہ یہ واجب الاحترام علماء کرام حجاج کے دست نگر نہ ہوکے رہ جائیں۔

مولانا حبیب اللہ کی مشکل کا حل نکل آیا

بے شک یہ اصول اپنی جگہ بہت قابلِ قدر ہے۔ سو اس دلچسپ صورتِ حال سے بڑی مشکل سے جان خلاصی ہوئی اور اس کی صورت یہ بنی کہ شاہِ سعود نے حضرت مولانا سید محمود احمد (برادرِ اصغر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ) کی خصوصی درخواست پر بطورِ خاص حضرتِ موصوف کو اس قانون سے مستثنیٰ! قرار دیا اور اس کی وجہ سے انہیں دنیا کے مسلم حکمران جب بھی حرمین کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے تو اُن کی خدمت میں سلام گذارنے سے بھی وہ بفضلِ ایزدی بچ گئے۔

عنقریب جنت میں ملاقات ہوگی

مولانا حبیب اللہ صاحب کا خط بنام والدہ مرحومہ

یہاں ایک واقعہ قارئین کرام کی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد اماں جی مرحومہ نے حضرت فرزندِ اکبر مدظلہٗ کو کہلا بھیجا کہ آخری سفر عمرہ و حج کی غرض سے جو حضرتؒ نے رقم رکھی ہوئی تھی۔ میں بھی کمزور ہوں، میری نقاہت اور کمزوری کے پیشِ نظر میرے حرمین میں آنے کا تو اب سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ رقم تم صرف کر کے مجھے لاہور آکے مل جاؤ۔ تو انہوں نے جواب میں لکھا۔ کہ جہاں آپ نے اتنی تکلیف اور انتظار برداشت کیا ہے۔ تھوڑی سی اور تکلیف برداشت کر لیں۔ انشاء اللہ عنقریب جنّت میں ملاقات ہوگی۔

●

ایک شخص کی حرمین الشریفین میں مرنے کی تمنا پوری نہ ہوئی

نیز انہوں نے ایک عجیب واقعہ بیان فرمایا کہ جنوبی ہندوستان کے ایک کروڑپتی تاجر نے عرصہ دراز تک وصال کے بعد مدینہ طیبہ میں دفن ہونے کے لئے قیام فرمایا۔ اکثر و بیشتر اُن کے اعزّہ و اقرباء حج و عمرہ کے لئے آتے اور انہیں کچھ عرصہ کے لئے وطن لے جانے کے لئے شدید اصرار کرتے۔ مگر وہ کسی طرح نہ مانتے کہ خدانخواستہ مَیں وہاں جاؤں اور وہاں سے کسی وجہ سے آنے نہ پاؤں تو میری ساری محنت رائیگاں چلی جائے گی۔ ایک دفعہ ان کے قریبی عزیزوں نے شدید اصرار کر کے اُن سے یہ بات منوا لی کہ آنے جانے کا یہیں سے (حجاز سے) ہوائی جہاز کا ٹکٹ لئے لیتے ہیں تاکہ آپ کو یہ خدشہ ہی نہ رہے کہ وہاں کوئی رکاوٹ پیش آسکے گی۔ لیکن خدا کا کرنا، ہوا وہی جس کا انہیں خدشہ تھا کہ وہاں جاتے ہی ہارٹ فیل ہوا اور اب دنیا کا کوئی قانون نہ تھا جو انہیں مدینہ منوّرہ واپس لا سکتا۔

مولانا حبیب اللہ صاحب کی آرزو

یہ واقعہ بیان کرکے انہوں نے فرمایا چونکہ مجھے اس بیچارے کا انجام معلوم ہے لہٰذا اللہ تعالےٰ مجھ سے کوئی ایسا گناہ نہ کرائے کہ میں حرمین الشریفین سے کہیں باہر جاؤں اور پھر کبھی لوٹ کر نہ آؤں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اسی خاکِ پاک کا پیوند ہونا نصیب فرمائے آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

چنیوٹ کے دینی مدارس

زکوٰۃ کا مہینہ آرہا ہے۔ اہل ثروت حضرات جہاں دوسرے دینی مدارس کی امداد و اعانت فرمائیں گے وہاں چنیوٹ کے دینی مدارس کو بھی فراموش نہ فرمائیں گے۔ اس وقت چنیوٹ میں جامعہ عربیہ، جامعہ مدنیہ، احیاء العلوم، اشرف العلوم، فتح العلوم، فیض العلوم، مدرسہ رحمانیہ اور مدرسہ دارالرحمت دین حق کی بہت بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ یہ مدارس طلباء کے جملہ اخراجات خورد و نوش اور کتب وغیرہ کے انتظام کے خود کفیل ہیں۔ اس لئے اہلِ ثروت حضرات سے اپیل کی جاتی ہے کہ زکوٰۃ فنڈ سے ان مدارس کو کبھی فراموش نہ فرمائیں اور زیادہ سے زیادہ امداد فرما کر عند اللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں۔ (حافظ شیر زمان ناظم مدرسہ دارالرحمت)

مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب کا واہ کینٹ میں

درسِ قرآن

منعقدہ ۳۰ر جولائی ۱۹۶۷ء

مرتبہ محمد عثمان غنی بی اے

(۷)

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ط اللہ تعالیٰ ہی کاموں کی تدبیر کرتے ہیں۔ تدبیرِ امر کون کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ — جیسے دنیا میں کام ہو رہے ہیں سب کاموں کو چلانے والا اللہ تعالیٰ، یہ بارش باہر ہو رہی ہے اسے کون برسا رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ — اگر اللہ تعالیٰ نہ برساتا تو کوئی نہیں برسا سکتا۔ گرمی پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ، سردی پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ۔ یہ امر کا لفظ اتنا عمومی لفظ ہے کہ ساری کائنات پر حاوی ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے بزرگو! جس طرح اپنی ذات میں واحد لاشریک ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں بھی واحد لاشریک ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں بھی واحد لاشریک ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں بھی واحد لاشریک ہے اور مسلمان کو ایمان بالصفات کا حکم دیا پہلے — دیکھئے ہم سورتِ فاتحہ پڑھتے ہیں تو کیا پڑھتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ تمام تعریفیں حق ہیں اُس اللہ کا جو پالنے والا ہے جہانوں کا۔ یہاں پر الوہیت بھی ہے، یہاں پر ربوبیت بھی ہے! یہاں پر ایمان بالصفات بھی ہے۔ شرک کا دھوکہ یہیں سے لگتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ اے انسانو! اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ تمام تعریفیں، دنیا میں جتنی تعریفیں کی گئیں، کی جاتی ہیں، کی جائیں گی۔ لِلّٰہِ۔ ان تمام تعریفوں کا مستحق کون ہے؟ صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہ مدبر الامر ہے۔ کائنات کا سارا امر اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط یعنی خالق بھی اللہ تعالیٰ اور آمر بھی اللہ تعالیٰ۔ اس لئے معبودِ برحق رب العالمین ہے۔ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، خدا پر ایمان نہ لائے تو پھر تمہیں کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ اس لئے مشرکینِ مکہ کے اس نظریئے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِہٖ کوئی بھی شفاعت کرنے والا نہیں مگر اللہ کے اذن کے بعد۔

یہاں دو باتیں بیان فرمائیں۔ شفاعت کا مسئلہ برحق ہے۔ جیسا کہ ہماری علم کلام کی کتابوں میں ہے۔ عقیدۂ شفاعت، امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے، انبیاء شفاعت فرمائیں گے، حافظ شفاعت فرمائیں گے، مجاہد فی سبیل اللہ شفاعت فرمائیں گے۔ مسلمان کا چھوٹا بچہ جو مر جاتا ہے، وہ شفاعت کرے گا چنانچہ ہمارے ہاں معمول ہے چھوٹے بچے کا جنازہ ہم کیا پڑھتے ہیں؟ وَاجْعَلْہُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا ط یہ دعا کس نے بتائی؟ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی۔ جب تم کسی چھوٹے بچے کا جنازہ پڑھو، جو مسلمان بچہ، گنہگار سے گنہگار انسان کا بیٹا ابھی پیدا ہوا ہے اور اس نے صرف سانس لیا ہے اور وہ دنیا سے چلا گیا، اب وہ تمہارا وڈر ہے، تمہارے حق میں شفاعت کر سکتا ہے، اس لئے تم جب اس کی نمازِ جنازہ پڑھو تو اُس کی بخشش کی دعا نہ کرو، وہ تو معصوم ہے۔

معصوم کے لئے بخشش کی دعا نہیں ہوا کرتی۔ میں پہلے بھی عرض کرتا رہتا ہوں۔ بعض لوگوں کو یہاں مغالطہ لگا رہتا ہے (اللہ تعالیٰ سب کو عشقِ رسول عطا فرمائے، امام الانبیاء (صلی اللہ وسلم) کی اطاعت نصیب فرمائے) کہ امام الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جنازہ پڑھا گیا ہے۔ او کس نے جنازہ پڑھا بھائی؟ ارے نبی کا جنازہ امت پڑھتی ہے؟ امام الانبیاء کو باہر رکھا گیا اور کیا امت نے کہا کہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا۔ خدا ہمارے نبیؐ کو بخش! یعنی ایسا نبی تھا ہمارا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جس نبی کے لئے ابوبکر صدیق رضؓ نے دعا مانگی ہو کہ خدایا! اس نبیؐ کو بخش دے غلط ہے یہ بات۔ نبیؐ کا کوئی جنازہ نہیں پڑھا گیا اور نہ نبیؐ کے جنازے پڑھے جاتے ہیں۔ امت نبیؐ کو بخشواتی پھرے گی؟ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود گرامی عائشہ صدیقہؓ کے حجرۂ مبارک میں وہیں پڑا رہا۔ اور پہلے جبریل امینؑ اور دوسرے مقربانِ بارگاہِ الٰہی فرشتے آئے۔ انہوں نے امام الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود پاک پڑھا۔ جس کو قاضی محمد سلیمان منصورپوریؒ نے "رحمۃ للعالمین" میں درج کر دیا۔ پڑھ لیجئے۔ حالانکہ وہ غیر مقلد تھے۔ مگر عشقِ رسولؐ میں اتنے سرشار تھے کہ بڑے بڑے مقلد بھی ان سے پیچھے ہیں۔ عشقِ رسولؐ بنیاد ہے میرے آپ کے ایمان کی۔ اگر عشقِ رسولؐ باقی ہی نہ رہا تو پھر ایمان کہاں سے آئے گا؟

تو انبیاء علیہم السلام کا بھائی جنازہ نہیں پڑھا کرتے — حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جنازہ نہیں پڑھا گیا۔ کہ جھگڑا پڑ جائے اس میں — جنازہ پڑھنے کی ضرورت کیا ہے؟ امت کہے گی کہ اے اللہ! ہمارے نبیؐ کو بخش۔ ایسے کو نبی ماننے کی ضرورت ہی کیا ہے جو امت کی مغفرت کا محتاج ہو۔ نبی امت کی دعاؤں کے محتاج نہیں۔ ہم جو درود پڑھتے ہیں اس میں ہمارا اپنا تقرب ہے، ہم قریب ہو جاتے ہیں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے — امام الانبیاء فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ جس نے دنیا میں مجھ پر زیادہ درود پڑھا۔ اسی تناسب سے وہ قیامت کے دن میرے زیادہ قریب ہوگا۔ تو اب درود پڑھ کر ہم اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں کہ آپؐ ہمارے نبی ہیں، ہم آپ کی امت ہیں، ہم اللہ سے درخواست کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپؐ پر مزید

رحمتیں نازل کرے۔ اس کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ امت نبی کو بخشواتی پھرے گی۔

تو چونکہ چھوٹا بچہ بھی معصوم ہے، چھوٹے بچے کی نماز جنازہ میں کیا پڑھتے ہیں وَاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّ مُشَفَّعًا ط اور لڑکی ہو تو ھَا پڑھتے ہیں۔ کیا مطلب؟ کہ یہ چھوٹا بچہ ہے، ایک مسلمان کا بچہ ہے، یہ ابھی سن شعور کو نہیں پہنچا ہے، یہ ابھی دنیا میں آیا، ایک سیکنڈ دنیا میں رہا پھر چلا گیا، لیکن اللہ! تیرا بندہ ہے، تُو نے پیدا کیا، تیری صفتِ خلق کا مظہر ہے، اور اس کے ماں باپ دونوں پڑھتے ہیں کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط ہم یقین کے ساتھ عرض کر سکتے ہیں یا اللہ! یہ مسلمان بچہ ہے، اس بچے کو ہمارے حق میں شفیع کر دے۔ بچے کی شفاعت ہو گی۔ تو اسی طرح نبی کا بھی جنازہ نہیں پڑھا جاتا، نبی بھی معصوم ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں، گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں۔ کَذٰلِکَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ط اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝ (یوسف ۲۴) قرآن نے یوسف علیہ السلام کے متعلق تصریح فرما دی تاکہ کوئی شبہ کرنے والا بے ہودہ شبہ نہ کر سکے۔

تو شفاعت کے متعلق عقیدہ یہ ہے اہل سنت والجماعت کا کہ شفاعتِ انبیاء برحق، شفاعتِ اولیاء برحق، شفاعتِ حفاظ برحق، مؤذن کی شفاعت برحق۔ لیکن ایک شرط ہے اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ط ——جب اللہ تعالیٰ اجازت دیں گے کہ آپ شفاعت کریں تو پھر شفاعت ہو گی۔ بخاری کی طویل حدیث موجود ہے۔

تو مشرکینِ مکہ کے اس عقیدے کو رد فرمایا کہ تم جو کہتے ہو کہ ہم اللہ کو نہیں پوجیں گے۔ ان کو پوجیں گے، اللہ کی بات کو نہیں مانتے، ان کی بات کو مانیں گے اللہ کے قرآن کو نہیں سنتے، اللہ کے نبی پر ایمان نہیں لاتے، ہم کو یہ بخشوا دیں گے، جواب دیا۔ مَا مِنْ شَفِيْعٍ۔ نفی کر دی عموم کے ساتھ، کوئی بھی سفارش کرنے والا نہیں ہوگا قیامت کے دن —— اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ط مگر اللہ کے اذن کے بعد۔ تو تمہارا اتنا عظیم خدا ہے تم اس عظیم خدا سے کیوں منہ موڑتے ہو؟

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ۔ اے دنیا والو! یہ اللہ ہے جو تمہارے پالنے والا ہے۔ فَاعْبُدُوْهُ ط پس تم اسی اللہ کی عبادت کرو۔ اسی اللہ کے بندے بنو۔ بندہ بننے کا معنیٰ کیا ہے؟ عبد کے معنی غلام۔ غلام کا حق ہوتا ہے کہ مولیٰ کی مرضی کے بغیر کچھ کر سکے؟ آپ میں سے اکثر میرے بھائی ہوں گے جن کے ہاں ملازم ہیں۔ آپ اپنے کسی ملازم سے کہتے ہیں کہ جا بازار سے گوشت لے آ، وہ جا کر توریاں لے آتے تو آپ خوش ہونگے؟ اگر وہ کہہ دے کہ جی میرے خیال میں تھا کہ آج توریاں پکانی چاہئیں آپ فرمائیں گے کہ تم کون ہوتے ہو؟ میرے ملازم ہو، تمہارا کیا دخل ہے میرے کاموں میں؟ حالانکہ وہ ہمارا عبد نہیں ہے، وہ ہمارا غلام نہیں ہے، وہ دو تین روپے کا ملازم ہے، وہ چاہے تو باہر جا کر کہہ دے کہ لو جی اپنا دسترخوان سنبھالو، السلام علیکم۔ لیکن جو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ خالق ہے، جس کا اللہ تعالیٰ مالک ہے اس بندے یعنی عبد کا یہ فرض ہے کہ اپنے مولیٰ کی مرضی کے بغیر کوئی کام بھی نہ کرے ورنہ وہ اللہ کا باغی سمجھا جائے گا۔

فرمایا۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ! اے انسانو! اے دنیا والو! یہ وہ اللہ ہے جو تمہارا رب ہے۔ یہ اتنی صفات کا مالک، خالق، مالک، متصرف، اب اس کے بجائے کسی اور کے پاس جانے کی تمہیں کیا ضرورت ہے؟ فَاعْبُدُوْهُ ط پس تم اسی اللہ کی عبادت کرو، اسی اللہ کے بندے بنو۔

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سوچتے؟ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے؟ سارے دلائل میں نے سمجھا دئے۔ پھر بھی تم نہیں سمجھتے؟ اللہ تعالیٰ تذکیر کے طور پر امام الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پہلے مخاطبین کو فرماتے ہیں اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ کیا تم اس بات کو نہیں سمجھتے؟

اللہ تعالیٰ" مجھے بھی اور آپ کو بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

قرآن کریم اور امن عالم

• خود اعتمادی، وحدتِ اسلامی، اتحاد اور اسلامی وفاق کی تشکیل، فنی اور معاشی امور روحانی قوت، انسانی حقوق کی ادائیگی

• امن عالم کے لئے قرآن کے اصولی و فروعی قوانین
• مسلمانوں کی مشکلات کا قرآنی حل

حضرت علامہ شیخ التفسیر مولانا شمس الحق افغانی مدظلہٗ

تعلیماتِ قرآن

اعجازِ قرآن کے بعد اب تعلیمات میں سے صرف ان اصول قرآنی کو بیان کرتے ہیں جن پر امنِ عالم کا مدار ہے۔ آج جس قدر امن کی ضرورت ہے۔ اس سے قبل کبھی انسان کو امن کی اتنی ضرورت پیش نہیں آئی جس کی وجہ یہ ہے کہ سائنسی آلات حرب نے دنیا کو جہنم کدہ بنا دیا ہے۔ اور اس کی وجہ سے زمین پر انسان کا زندہ رہنا ناممکن ہو گیا ہے۔ انسان کے لئے امن سب سے مقدم اور اہم ضرورت ہے۔ کل انسانی نعمتیں امن کی تابع ہیں۔ اگر امن نہ ہو تو تمام ترقیات جواب تک انسان نے کی ہیں۔ وہ سب ہیچ اور عبث ہیں۔ ترقیات اور نعمتیں انسان کی زندگی کے لئے ہیں جب خود زندگی خطرے میں ہو تو سب نعمتیں بیکار ہیں۔

سائنسی ترقی نے ہمیں امن سے محروم کر دیا۔

موجودہ سائنسی ترقی کی بے راہ روی نے انسان کو بہت کچھ دیا لیکن امن سے محروم کر دیا اس لئے کہ جن آلات حرب کو سائنس نے مہیا کیا ان کو استعمال کرنے والے انسان کو انسانی اقدار اور انسانی اخلاق اور انسانی فطرت صحیح سے محروم کیا، ایسے انسانوں کو مسلح کرنا ڈاکو کے مسلح کرنے سے زیادہ خطرناک ہے اور ڈاکو کو مسلح کرنا انسانیت پر ظلم ہے۔ بقول حضرت رومیؒ ؎

بد گہر را علم و فن آموختن
دادن تیغ است بدست راہزن

جب سے جدید تہذیب رونما ہوئی دنیا بحیثیت مجموعی کسی وقت بھی انسانوں کے خون بہانے سے باز نہیں رہی

ا۔ صرف گذشتہ ایک جنگ عظیم کے نقصانات مغربی جرمنی کے ڈاکٹر انر منسٹر کی رپورٹ جو اقوام متحدہ کے حکم سے مرتب ہوئی ہے (مندرجہ انجام ۸ر اپریل ۱۹۵۳ء) کے مطابق اس جنگ میں چھ کروڑ انسان جلاوطن کئے گئے۔ (اقوام متحدہ کے کمیشن کی رپورٹ)

۲۔ ۳ر دسمبر ۱۹۵۱ء میں پیرس اتحادی اسمبلی کے اندر چینی نمائندہ نے اعلان کیا کہ کمیونسٹ چین نے ڈیڑھ کروڑ زمینداروں کو پھانسی پر لٹکایا۔ (رپورٹ کمیونسٹ چین مندرجہ انجام ۵ر دسمبر ۱۹۵۱ء)

۳۔ سٹالین نے کمیونزم کے لئے ۵ کروڑ مسلمانوں کا خون بہایا (کوہستان ۳۰ر نومبر ۱۹۶۷ء)

۴۔ سائنس دانوں کی عالمی کانفرنس بمقام پگواش امریکہ میں برطانوی سائنس دان سر رابرٹ واٹسن واٹ بیولاجیکل وارفیر نے کیمیائی جراثیمی بم ۸ اونس (تقریباً تین چھٹانک) پیش کر کے اعلان کیا کہ یہ بم پوری کرۂ ارضی کی تباہی کے لئے کافی ہے جس کو ایک چھوٹی حکومت بھی بنا سکتی ہے۔ (مقالہ افتتاحیہ ڈان ۵ر ستمبر ۱۹۵۹ء)

یہ تو ماضی کی داستان ہے، مستقبل میں اگلی تیاری کی جو دوڑ جاری ہے اور میزائل اور ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے جو ذخائر جمع کئے گئے ہیں وہ موجودہ دنیا جیسی بیسیوں دنیاؤں کو تباہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ ایسی جنگ ہمیشہ ظلم کا نتیجہ ہوتی ہے اور ظلم روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ منافقت کو کمال سمجھا گیا اس لئے مصالحت کا کوئی معاہدہ کارآمد نہیں ہو سکتا کہ جنگ کو اس کے ذریعہ روکا جا سکے۔

اب تعلیمات قرآن کے سلسلہ میں اہم ترین چیز یعنی بین الاقوامی امن کے متعلق ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ قرآن اس کے متعلق کیا حل پیش کرتا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کے تمام مطالب پیغام امن ہیں اور اس کی ہر تعلیم میں عالمی امن جلوہ گر ہے لیکن اختصار کے پیشِ نظر ہم صرف سورۂ حجرات کی ایک آیت اور اس کی تشریح پر اکتفا کرتے ہیں۔ جس سے بخوبی ظاہر ہو گا کہ قرآن نے کس خوبی کے ساتھ عالمی امن کا عقدہ حل فرمایا۔

قرآن کی تعلیماتِ عامہ امن کی بنیاد ہے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ پورے قرآن اور مکمل دین اسلام کا پیغام امن ہے۔ یہ بات تفصیلات بیان کئے بغیر صرف دو چیزوں سے واضح ہو سکتی ہے۔ ایک تو یہ کہ قرآن جس دین کی دعوت دیتا ہے اس کے دو نام ہیں۔ ایمان اور اسلام یہ دونوں الفاظ امن و سلام سے ماخوذ ہیں جو ان دونوں کا مجموعہ ہے اور ہر لقبی نام اپنے مسمی کو واضح کرتا ہے جیسے مفرح یا قوتی لقبی نام ہے۔ جو اس امر کو واضح کرتا ہے کہ اس نام کی مرکب دوا کا مقصد تفریح قلب اور دل کو قوت و فرحت عطا کرتا ہے۔ اسی طرح ایمان و اسلام جن امور کا مجموعہ ہے ان سب سے مقصود امن ہے۔ زندگی کے تمام ادوار میں خواہ دنیا ہو یا قبر و دوزخ اور آخرت یعنی یہ دین انسانی زندگی کے تمام مراحل و منازل میں امن و سلامتی عطا کرتا ہے۔ گویا ایمان اور امن لازم و ملزوم ہیں۔ سورۂ انعام کی آیت ہے۔ الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون۔

ترجمہ:۔ جو لوگ ایمان لائے اور اس کے ساتھ شرک کو نہیں ملایا ان کو امن اور ہدایت ضرور نصیب ہوں گے۔ یہ آیت ایمان کا مقصد امن کو صاف ظاہر کرتی ہے۔

امن عالم اور قرآن کی تعلیم خاص

اس عموم کے بعد سورۂ حجرات کی وہ خاص آیت یہ ہے:۔

یایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر ○

ترجمہ:۔ اے انسانی اقوام ہم نے تم سب کو پیدا کیا ہے ایک باپ اور ماں سے پھر بنایا تم کو قومیں اور ذاتیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان لو تم میں سب سے زیادہ صاحبِ عزت و شرافت وہ ہیں جو سب سے زیادہ قانونِ الٰہی پر چلنے والے ہوں۔ یقیناً اللہ تمہارے ظاہری حالات کا عالم اور باطنی ارادوں سے واقف ہے۔

تعلیمات قرآن کی صرف یہ ایک آیت ان تمام اصول کی جامع ہے ، جن پر عمل پیرا ہو کر چند لمحات میں اقوام عالم حقیقی امن کو پا سکتی ہیں - اس آیت میں جن اصول کو بیان کیا گیا ہے ان میں پہلی چیز لفظ ناس کی تعبیر سے امن کی دعوت دینا ہے - ناس عربی لفظ ہے جو انس الفت اور محبت کا معنی رکھتا ہے عربی شعر ہے -

وما سمی الانسان الا لانسہ

وما القلب الا انہ یتقلب

انسان کو انسان انس اور الفت کی وجہ سے کہا جاتا ہے اور دل کو قلب اس لئے کہا جاتا ہے جو حق کی طرف پلٹتا ہے -

یعنی انسان کا فطری خاصہ الفت و محبت اور شفقت باہمی ہے اور قلب کا فطری خاصہ حق کو قبول کرنا اور اس کی طرف پلٹنا ہے - جو انسانی قوم دیگر انسانی اقوام کی رحمت و شفقت سے خالی ہو وہ انسان نہیں اور جو انسانی قلب حق کی طرف جھکے نہیں وہ انسانی قلب نہیں حیوانی قلب ہے - اس لفظ سے جو پہلا اصل اور اولین سبق حاصل ہوا وہ یہ ہے کہ حقیقی انسان وہ ہے جو دوسرے انسانوں سے محبت رکھے خواہ اس کی قوم اور ملک کا فرد ہو یا دیگر قوم یا ملک سے متعلق ہو کیونکہ سب قومیں اور سارے ملکوں کے باشندے انسانیت میں شریک ہیں -

دوسرا اصل یہ معلوم ہوا کہ بین الافرادی یا بین الاقوامی یا بین الدولی معاملات میں انسانی قلب و ضمیر کا فطری تقاضا یہ ہے کہ وہ حق کی طرفداری کرے چاہے حق کمزور ہو اور اقلیت میں ہو اور معاملہ کا تصفیہ صرف انسانیت کی بنیاد پر اور انسانی محبت کے جذبے کے تحت ہو نہ کہ قومیت اور وطنیت یا سیاسی مفاد یا جتھہ بندی کی بنیاد پر -

تیسرا اصل وحدت بشریہ کا اصول ہے کہ پوری انسانیت وسیع النظری کے تحت ایک ہی وحدت ہے جو ناقابل تقسیم ہے - قومیت، وطنیت، لونیت، لسانیت یعنی قوم، جغرافیہ، وطن، رنگ یا زبان کی دیواریں اس وحدت میں حائل نہیں ہونی چاہئیں اور یہ بادل اور وحدت بشری کو ٹکڑے کرنے کے لئے نہیں تا کہ ان تفریقات کے ذریعہ انسان کو انسان کا دشمن بنایا جائے بلکہ -

رنگ و نسل کی تفریق میں حکمت

ہر ایک میں قدرت نے جدا جدا حکمتیں رکھی ہیں - اس سے کسی قوم کے کمال یا برتری کا ظہور مقصود نہیں - انسان فاعل مختار ہے اور فاعل مختار خواہ فرد ہو یا قوم اس کی برتری اور کمال اور خوبی کا دار و مدار اس کے اپنے اعمال سے ہو گا نہ کسی اور کے فعل سے کہ اس نے اس کو خاص قوم اور خاص خطہ زمین میں پیدا کیا - اسی طرح کسی رنگ مثلاً سفید یا خاص زبان کا عطا کرنا فعل خداوندی ہے - ان چیزوں پر کسی فرد کو اور نہ کسی قوم کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے کو برتر اور دوسروں کو ذلیل سمجھے اور وحدتِ انسانی کو پارہ پارہ کر کے خدا کی زمین کو انسانوں کے لئے جہنم بنا دے - قوموں کا تعدد جیسے کہ اس آیت میں بیان ہوا تعارف کے لئے ہے - کہ قومیتوں کے ذریعہ ایک دوسرے کی پہچان ہو اور ادا حق ہو روح المعانی میں لتعارفوا کے بعد ذکر ہے وتوادوا - تاکہ اس پہچان کے ذریعہ ایک دوسرے سے محبت کرو یہ نہیں کہ اس تعارف کے ذریعہ ایک دوسرے کے ساتھ لڑو - دنیا میں عام قاعدہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان تعارف دوستی اور محبت بڑھانے کے لئے ہوتا ہے - نہ کہ جنگ اور قتال کے لئے لڑنے کے لئے تعارف کی ضرورت نہیں اور اگر خواہ مخواہ قومیت کو پیش نظر رکھنا ہے تو تمام انسانوں کی قومیت ایک ہے - سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں یعنی آدم و حوا علیہ السلام کے -

بشری وحدت کے اسباب

اس آیت میں وحدتِ انسانی کے مختلف اسباب بیان کئے گئے ہیں (۱) انسانیت کی وحدت (۲) خالق کی وحدت یعنی خالق کائنات کے ایک ہی کارخانہ تخلیق میں تم سب سے بنے ہو - (۳) نسلی وحدت یعنی ایک ماں باپ کی اولاد ہو -

ارشاد ہے :- یاایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ وجعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا - یعنی قومی اور قبائلی تقسیم قتال و جدال کے لئے نہیں تعارف اور محبت باہمی کے لئے ہے - یہی وہ اعلان ہے جس نے تمام اقوام عالم کو ایک خاندان قرار دیا اور سب کا وطن بھی درحقیقت ایک ہی قرار دیا گیا یعنی کرۂ زمین -

ولکم فی الارض مستقر و متاع الی حین -

ترجمہ:- تم سب اقوام کے لئے خدا کی زمین وطن اور قرارگاہ ہے - اور سب کے لئے اس میں سے مقررہ وقت تک زمین سے فائدہ اٹھانا ہے -

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی وحدت کی مزید تشریح فرمائی ارشاد فرمایا کہ :-

الناس عیال اللہ فاحسن الناس من احسن عیالہ -

ترجمہ:- تمام قومیں اور سارے انسان خدا کا کنبہ ہے - سب لوگوں میں بہتر وہ ہے جو اللہ کے کنبے سے بھلائی کرے -

حدیث ہے :-

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا للاحمر علی الاسود وللاسود علی الاحمر

ترجمہ:- عربی کو غیر عربی پر برتری نہیں اور غیر عربی کو عرب پر برتری نہیں - گورے کو کالے پر نہیں اور کالے کو گورے پر نہیں -

یہ انسانی حقوق کی وہ دستاویز ہے کہ اس کا اعلان سب سے پہلے قرآن اور صاحب قرآن نے کیا اور اس قدر ترقی اور دعوئ مساوات کے باوجود تہذیب جدید کی تعلیم یافتہ قومیں اب تک ان انسانی حقوق کی عطا کردگی کی راہ میں عملاً حائل ہیں - مرکز تہذیب جدید امریکہ میں کالے لوگوں کے ساتھ جانور سے بدتر سلوک کیا جاتا ہے - یورپ کی قومیں ایشیاء اور افریقہ کے باشندوں کو انسان نہیں سمجھتیں نہ ان کے خون بہانے اور حقوق غصب کرنے کو جرم سمجھتی ہیں - بھارت میں غیر ہندو ملیچھ اور ناپاک سمجھے جاتے ہیں اور ہندوؤں میں بھی شودر کو انسان نہیں سمجھا جاتا - بھارت میں جانوروں کو زندگی کے جو حقوق حاصل ہیں وہ غیر ہندوؤں خاص کر مسلمانوں کو حاصل نہیں - مسلمانوں کا خون بے دریغ بہایا جاتا ہے اور روزانہ اخبارات میں ان کے قتل و غارت کے واقعات آتے رہتے ہیں لیکن بدترین حیوانات یعنی کتوں تک کی خونریزی کا واقعہ سننے میں نہیں آتا ہے کیا یہ انسانی تہذیب ہے ؟

نسل و قومیت اور وطنیت کا بت

اس صدی میں تہذیب جدید کے نام سے جس قدر لڑائیاں ہوئیں یا آئندہ ہوں گی وہ سب نام نہاد قومیت اور وطنیت کے بت کی کارفرمائی ہے - کوریا اور ویٹ نام پر مہذب امریکہ کے ہاتھوں کئی ہزار میل

دور سے جو مظالم ڈھائے گئے اور بیشمار بچے، عورتیں اور عام شہری تباہ کئے گئے۔ یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ امریکی قوم اور امریکہ نام کے ملک کی برتری قائم ہو۔ کیا امریکی قوم اپنے ملک والوں اور اپنی قوم کے ساتھ یہ برتاؤ جائز رکھ سکتی ہے۔

امریکہ اور برطانیہ نے یہود کو مسلح کر کے ان سے عربوں پہ حملہ کرایا اور ہزاروں عربوں کو قتل کرایا اور لاکھوں کو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے محروم کرایا اور خود اسرائیل کا وجود جس کے امریکہ برطانیہ نے اپنے ملکوں میں سے چن چن کر یہود کو لا کر آباد کرایا۔ حالانکہ امریکہ میں کافی وسیع رقبہ موجود تھا اور نہ صرف عرب باشندوں کو ملک سے نکال کر وہاں یہود کو بسایا بلکہ ان کی حکومت بنائی اور اس کو قوی اور مسلح کیا تا کہ پورے عرب کے لئے وہ ناسور بنی رہے، کیا امریکہ اور برطانیہ اپنی قوم اور اپنے ملک کے ساتھ ایسا طرزِ عمل کر سکتے ہیں، ہرگز نہیں، یہ محض اس لئے کیا کہ ان دونوں نے اپنی قوم کا مفاد عرب کو تباہ کرنے اور یہود کی حکومت بنانے میں مضمر سمجھا، اسی قومی حقیر مفاد نے ان کو پوری عرب قوم کو تباہ کرنے پر آمادہ کیا۔

انڈونیشیا میں امریکہ نے خانہ جنگی کرائی جس میں دس لاکھ مسلمان قتل ہوئے یہ صرف اس لئے کہ امریکہ کا قومی مفاد اسی میں تھا کہ سکارنو کی حکومت ان کے مزاج کے مطابق نہ تھی۔

ماہِ ستمبر میں بھارت سے پاکستان پہ حملہ کرایا گیا تا کہ پاکستان ختم ہو جس کا جرم صرف یہ تھا کہ اس نے اپنی بقاء کے لئے غیر جانبدار پالیسی اختیار کی اور سب پڑوسی حکومتوں کے ساتھ جن میں چین بھی شامل ہے، دوستانہ تعلقات رکھے۔ پھر عجیب یہ کہ ان تمام مظالم اور جارحیتوں کے خلاف کسی بڑی حکومت نے ناراضگی کا اظہار تک نہیں کیا بلکہ اقوام متحدہ میں مذمت کے متعلق بحیثیت مجموعی ایک لفظ بھی نہ کہا گیا جو عالمی انصاف کا سب سے بڑا ادارہ ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوا کہ تہذیبِ جدید نے انسانیت کا خاتمہ کر دیا ہے اور اقوام متحدہ کے ارکان میں یہ جرأت بھی نہیں کہ وہ ظلم کو ظلم اور بُرے کو بُرا کہہ سکے۔ یہ ہے لادین مادی تہذیب کی اخلاقی موت۔

تفوقِ انسانی مقصدِ تخلیق یعنی تقویٰ سے وابستہ ہے

مذکورہ آیت میں ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کہہ کر قرآن نے انسان کی اصل شرافت و کرامت کا معیار پیش کیا کہ وہ تقویٰ اور خالقِ کائنات کے قانون عادلانہ کی تابعداری ہے۔ یہی تقویٰ اور اطاعتِ خداوندی انسان کی تخلیق کا مقصد ہے۔ اور مقصدیت سے ہر شے کی قیمت کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ گائے کی تخلیق کا مقصد دودھ دینا ہے۔ لہٰذا وہی گائے قیمتی ہے جو زیادہ سے زیادہ دودھ دے۔ گھوڑے کی تخلیق کا مقصد تیز رفتاری ہے۔ جو گھوڑا تیز رفتار نہ ہو یا جو گائے دودھ نہ دے اس کی کوئی قیمت نہیں۔ اس طرح جو انسان مقصدِ تخلیق کو پورا نہ کرے وہ بے قیمت ہے۔ خواہ کسی نسل اور قوم کا ہو اور خواہ کسی یورپ اور امریکہ کا باشندہ ہو یا افریقہ اور ایشیا کا، خواہ سفید رنگ ہو یا سیاہ فام۔ خواہ انگریزی بولتا ہو یا حبشی زبان۔ بد امنی کا بڑا سبب مقصدِ تخلیق یعنی تقویٰ کی فراموشی ہے۔

استحضارِ مسئولیت

بد امنی کا بڑا سبب یہ ہے کہ موجودہ تہذیب نے اخلاقی اقدار کو ختم کر کے انسان کو حیوانات کی طرح غیر مسئول بنا دیا اور کسی قوم یا فرد کے ذہن میں تصور نہیں کہ کارخانہ عالم کا ایک مالک قادر مطلق موجود ہے اور پوری کائنات اور تمام اقوام عالم اس کی رعیت ہے۔ لہٰذا اگر کسی پر کسی قسم کا ظلم کیا گیا تو ضرور اس کی بازپرس ہو گی اور جواب دہی کی جائے گی۔ اسی جذبۂ مسئولیت پیدا کرنے کے لئے ارشاد ہوا کہ ان اللہ علیم خبیر۔ کہ خدا ہر قوم اور فرد کے ظاہری حالات کا عالم اور باطنی اور پوشیدہ ارادات سے واقف ہے جو سب کچھ اس نے کیا وہ علمِ الٰہی میں ہونے کے علاوہ اس کے فردِ اعمال اور ریکارڈ میں بھی درج ہو کر احکم الحاکمین کے آگے پیش ہو گا۔ جس کے قانونِ سزا سے کوئی بچانے والا نہیں۔ اب ہم امنِ عالم کے قرآنی ہدایات ذرا تفصیل سے لکھتے ہیں۔ اور قرآن کے قوانینِ امن کے قرآنی ماخذ بھی لکھتے ہیں جو ترتیب وار حسب ذیل ہیں۔

۱۔ انسانیت کی روح محبت انسان کو نصب العین بناؤ، ماخذ یاایہاالناس

۲۔ وحدتِ انسانیت کا تصور بلحاظ وحدتِ خالق[1] و وحدتِ اصل انسانی و وحدتِ وطن اصلی[3]۔ ماخذ۔ انا خلقناکم[1] من ذکر و انثیٰ[2]۔ ولکم فی الارض[3] مستقر و متاع الیٰ حین۔

۳۔ قومی اور قبائلی رشتوں کو مدارِ شرافت اور معیارِ تفوق مت بناؤ بلکہ ذریعہ تعارف و محبت بناؤ، ماخذ۔ وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا

۴۔ انسان کی قیمت اور شرافت کی بنیاد تقویٰ اور اطاعتِ احکام خالقِ کائنات ہے ماخذ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔

۵۔ انسان ہر فعل و عمل میں خالقِ کائنات کے آگے اپنے کو جواب دہ سمجھے اور مکافاتِ عمل اور قانونِ مجازات سے غافل نہ ہو ماخذ۔

ان اللہ علیم خبیر، فلا تحسبن اللہ غافلاً عما یعمل الظالمون، وضرب اللہ مثلاً قریۃ کانت آمنۃ مطمئنۃ یاتیھا رزقھا رغداً من کل مکان فکفرت بانعم اللہ فاذاقھا اللہ لباس الجوع والخوف بما کانوا یصنعون۔ (نحل ع ۱۴)

ترجمہ:۔ اللہ جل جلالہ کو ظالموں کے اعمال سے غافل مت سمجھو۔ اللہ مثال بیان کرتا ہے ایک بستی کی جو حفظ چین اور امن سے چلی آتی تھی ان کو روزی فراغت کی ہر جگہ سے پہنچ رہی تھی پھر ناشکری کی اللہ کے احسانوں کی تو چکھایا اللہ نے کہ ان کے تن کے کپڑے ہو گئے بھوک اور ڈر بدلہ اس کا جو وہ کرتے تھے۔

یہی سزا اس دنیا میں ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اس خدا فراموش تہذیب کے دلدادگان کی کہ ہر وقت میں ایٹمی جنگ کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں۔ بھوک کا یہ حال ہے کہ اقوام متحدہ کی سماجی رپورٹ مندرجہ انجام کراچی کے مطابق اس وقت دنیا کی نصف آبادی بھوک اور بیماری میں مبتلا ہے۔ (انجام ۱۷ر مئی ۱۹۵۲ء)

یہ خدا کی نعمتوں کی ناشکری کی سزا ہے کہ خدا کا دیا ہوا مال شیطانی مصارف میں صرف کر رہے ہیں جس کی مندرجہ ذیل واقعات ہیں:۔

۱۔ امریکہ نے جنگ کی تیاری میں ۱۹۵۱ء میں نوے کھرب ڈالر خرچ کرنے کا اعلان کیا۔ (کوثر ۵ر اپریل ۱۹۵۲ء) اور اب تو اس خرچ میں بہت اضافہ ہوا ہے۔

۲۔ انگلستان سالانہ شراب پینے پر ۴ ارب

پروگرام

حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی

۴ر اکتوبر بروز جمعہ: شام کو روانگی بذریعہ بس شاہ کوٹ۔ اور مدرسہ اشرفیہ شاہکوٹ کے سالانہ اجلاس میں شرکت فرمائیں گے۔

۵ر اکتوبر بروز ہفتہ: لائلپور سے گیارہ بجے بذریعہ چناب ایکسپریس ملتان تشریف لے جائیں گے اور مدرسہ اسلامیہ فاروقیہ کے سالانہ اجلاس میں شرکت فرمائیں گے۔ بعد نماز مغرب مجلس ذکر ہو گی۔ مجلس ذکر کے بعد سلسلہ بیعت ہو گا۔ (حاجی بشیر احمد)

۴۴ کروڑ روپے خرچ کرتا ہے۔ (پیج ۳ر مئی ۲۷ء) اب یہ خرچ کئی گنا بڑھ گیا ہے۔

۳۔ امریکہ اور چند دیگر ریاستیں سالانہ سگریٹ نوشی پر ۵۰ ارب ۵۲ کروڑ ۵۰ لاکھ روپے خرچ کرتا ہے (انجام ۱۰ر فروری ۱۹۵۵ء)

۴۔ یورپی دنیا بتیس ارب ڈالر سالانہ جُوا بازی کی نذر کر دیتی ہے۔ (کوہستان ۳۰ر دسمبر ۱۹۵۸ء)

۵۔ امریکہ سالانہ شراب نوشی پر انیس ارب نوے کروڑ ڈالر خرچ کرتا ہے۔ (امریکی رپورٹ پاسبان کوئٹہ ۳ر ستمبر ۱۹۵۰ء)

۶۔ ملکہ الزبتھ ۳۶ دن کی تاجپوشی کے صرف ایک موقعہ پر ۴۴ کروڑ روپے کی شراب پلائی گئی (رپورٹ مندرجہ امروز ۳ جون ۵۳ء)

۷۔ امریکہ کتوں کی تفریح پر ۵۲ کروڑ اور ان کے کمبلوں پر ڈیڑھ کروڑ ڈالر سالانہ خرچ کرتا ہے (نقاد لاہور ۳ ۱۹۵۴ء) (باقی آئندہ)

جلسہ

● ریاض آباد کالونی کی مقامی دینی درسگاہ مدرسہ عزیزیہ محمدیہ ناصر العلوم رجسٹرڈ متصل ریلوے جمرانی واہ کا چوتھا سالانہ جلسہ بتاریخ ۶ر۷ر اکتوبر مطابق بروز اتوار سوموار منعقد ہو رہا ہے جس میں ملک کے نامور علماء کرام و بزرگان دین شرکت فرما رہے ہیں۔

دعائے صحت

ڈاکٹر مناظر حسین نظر ایڈیٹر خدام الدین بیمار ہیں۔ قارئین کرام سے درخواست ہے ان کی صحت کے لئے دعا فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جلد صحتیاب کرے۔

جلسہ

● مورخہ ۱۲ر رجب المرجب مطابق ۵ر اکتوبر بروز ہفتہ بعد نماز عشاء مرکزی جامع مسجد فیروز والہ ضلع گوجرانوالہ میں زیر اہتمام جمعیۃ العلماء اسلام فیروز والا جلسہ میلاد النبی ہوگا جس میں صوفی کامل عالم باعمل حضرت مولانا بشیر احمد صاحب پسروری دامت برکاتہم اور حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب خطاب فرمائیں گے۔ (سید محمد حسین)

جلسہ

● مدرسہ اسلامیہ فاروقیہ رجسٹرڈ عقب کچہری ملتان کا چودھواں سالانہ جلسہ ۴ر۵ر۶ر اکتوبر مطابق ۱۱ر۱۲ر۱۳ر رجب المرجب ۱۳۸۸ھ بروز جمعہ ہفتہ اتوار بمقام قاسم باغ (قلعہ کہنہ) ملتان منعقد ہوگا جس میں ملک کے مشاہیر علماء کرام، قراء حضرات اور شعراء حضرات تشریف لا رہے ہیں۔ (ناظم مدرسہ ہذا)

دین پسند حضرات جامعہ مدنیہ لاہور کی امداد کریں

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ کی

اپیل

جامعہ مدنیہ (کریم پارک لاہور) ایک عظیم دینی ادارہ ہے۔ جو بفضلہ تعالیٰ ابتداء سے لائق مدرسین و منتظمین کی زیر نگرانی اعلیٰ پیمانہ پر دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو جامعہ سے خصوصی تعلق رہا۔ آپ تاحیات جامعہ کی سرپرستی فرماتے رہے۔ جامعہ آج جن اصول و ضوابط پر کاربند ہے وہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی کے مرتب کردہ ہیں۔ اس کے بانی و مہتمم حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خلیفہ حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب ہیں، ۲۲ مدرسین و ملازمین کی زیر نگرانی اس سال جامعہ میں ساڑھے تین سو کے قریب طلبہ کرام تعلیم پا رہے ہیں ان طلباء میں ایک سو بیس ایسے غریب الدیار ہیں جن کے جملہ اخراجات کا جامعہ کفیل ہے۔ مدرسین و ملازمین کی تنخواہوں، طلبہ کے خورد و نوش وظائف اور دیگر ضروریات پر خطیر رقم صرف ہوتی ہے سو احقر تمام دین پسند حضرات بالخصوص اپنے احباب سے پرزور اپیل کرتا ہے کہ وہ جامعہ کی ہر طرح سے امداد کریں۔ اپنا عشر زکوٰۃ اور دیگر عطیات جامعہ کو عطا کریں۔ خاص کر اس موقعہ پر اپنی زکوٰۃ جامعہ میں جمع کرا کر مہمانان رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی میزبانی کا شرف حاصل فرمائیں۔ جامعہ آپ کے ہمہ قسم عطیات کا بہترین مصرف ہے۔ احقر عبید اللہ انور

بچوں کا صفحہ

محنت کا پھل

حافظ نور محمد انور

جاوید اور طارق دو دوست تھے۔ اور ایک ہی مدرسے میں پڑھتے تھے۔ جاوید نہایت شریر اور چالاک لڑکا تھا۔ طارق محنتی اور باخلاق لڑکا تھا، گو طارق کے والدین غریب تھے۔ مگر انہوں نے طارق کی پڑھائی پر اخراجات کی کبھی پرواہ نہ کی تھی، جاوید اور طارق ہر وقت اکٹھے رہتے سکول جاتے تو اکٹھے کھیل کود اور سیر و تفریح کو جاتے تو اکٹھے ہی جاتے، اور دونوں کا گھر ایک ہی گلی میں تھا، طارق ہر وقت جاوید کو شرارتوں سے باز رہنے کی تلقین کرتا رہتا۔ اور پڑھائی کی طرف رغبت کی توجہ دلاتا، ماں باپ بھی جاوید کو بہت سمجھاتے اور کبھی کبھی جاوید کی اچھی خاصی پٹائی ہو جاتی۔ مگر باوجود ان سب کے سمجھانے کے جاوید بالکل نہ سمجھا ایک کان سے بات سنتا دوسرے سے نکال دیتا۔ امتحان کے دن قریب آ گئے تھے طارق رات دن محنت سے پڑھائی میں مشغول رہتا۔ مگر جاوید ذرا بھی پڑھائی کی طرف توجہ نہ دیتا، حتیٰ کہ جاوید کے والدین نے جاوید کی پڑھائی کے لئے ایک الگ استاد بھی مقرر کر رکھا تھا۔ سردیوں کا موسم تھا رات کو سخت سردی پڑ رہی تھی۔ آسمان پر ہر طرف سیاہ بادل ہی بادل نظر آتے تھے۔ اتنی سخت سردی کہ لحاف میں سے منہ باہر نکالنے کو بھی جی نہیں چاہتا تھا اچانک آدھی رات کے قریب کسی نے دروازے پر آکر دستک دی طارق کے ماں باپ اور بہن بھائی سوئے ہوئے تھے۔ طارق ایک الگ کمرہ میں بتی جلا کر اپنی پڑھائی میں مصروف طارق دروازہ پر دستک کی آواز سن کر گھبرا گیا۔ اور دل میں سوچنے لگا اب دروازہ کھولوں یا نہ کھولوں کبھی خیال آتا کہ باپ ہی کو جا کر جگا دوں باپ ہی جا کر دروازہ کھولے ان ہی خیالات میں طارق ابھی سوچ ہی رہا تھا۔ کہ پھر دروازہ کسی نے پہلے سے بھی زور سے کھٹکھٹایا اور ساتھ آواز بھی دی کہ خدا کے لئے دروازہ کھولو طارق نے فوراً دروازہ کھول دیا۔

دیکھا تو چچا امام الدین ہاتھ میں لالٹین لئے کھڑا ہے طارق نے بعد از سلام کہا چچا جان اس وقت آپ کا یہاں آنا کیسے ہوا۔ مجھے پتہ ہوتا کہ آپ دستک دے رہے ہیں۔ تو پہلی مرتبہ ہی میں آکر دروازہ کھول دیتا۔ میں نے سمجھا کوئی چور نہ ہو اس وجہ سے گھبرا گیا تھا۔ جاوید کے باپ امام الدین نے کہا بیٹا جاوید کھیل کر ابھی تک گھر واپس نہیں آیا خدا جانے کہاں گیا ہے۔ میں اس خیال سے یہاں چلا آیا کہ شاید یہاں ہو۔ نہیں نہیں چچا جان میں تو خود حیران و پشیمان ہوں کہ کل جاوید سکول بھی نہیں گیا، طارق چچا امام الدین کو اپنے کمرے میں لے گیا۔ اور کہا چچا جان امتحان کے دن قریب آ گئے ہیں۔ گھر والے سب سوئے ہوئے ہیں۔ مگر میری نیند ان دنوں حرام ہو چکی ہے۔ مغرب کے بعد روٹی کھا کر اسی کمرہ میں برابر پڑھائی میں مشغول ہوں یہ محنت کا وقت ہے۔ اب اگر محنت نہ کروں اور امتحان میں فیل ہو جاؤں تو بدنامی بھی ہوگی۔ اور پورا سال پھر اسی کلاس میں پڑھنا ہوگا، کاش جاوید بھی اس وقت کو اپنے مستقبل کے لئے سنہری وقت سمجھتا، شرارتوں اور آوارگی سے باز آجاتا، طارق کی یہ باتیں سن کر چچا امام الدین کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ اور وہ اپنے بیٹے جاوید کی حرکتوں پر حسرت و افسوس کرنے لگے۔ طارق بیٹا تم بالکل سچ کہتے ہو۔ ہم نے جاوید کا مستقبل سنوارنے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، مگر کیا کریں ہماری قسمت ہی ایسی ہے۔ طارق نے کہا اچھا چچا جان اب چلئے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ وہ صبح تک انشاء اللہ جہاں بھی ہوگا آجائے گا صبح ہوتے ہی جاوید گھر آگیا آپ نے آتے کے ساتھ ہی پٹائی کی پھر پوچھا کہاں گئے تھے۔ کہنے لگا رات ایک مداری کا تماشا ہو رہا تھا میں بھی دیکھنے لگ گیا اور وہیں سو گیا۔ ادھر طارق نے بھی رات والا ماجرا اپنے ماں باپ کو سنایا انہوں نے بھی بہت افسوس کیا۔ انہوں نے بھی جاوید کو گھر آکر سمجھایا۔ مگر جاوید نے کسی کی بات پر کان نہ دھرے سالانہ امتحان شروع ہے۔ جاوید سے جس مضمون کا امتحان لیا جاتا ہے۔ اسی میں صفر آتا ہے۔ اور طارق سے جس مضمون کا امتحان لیا جاتا ہے پورے کے پورے نمبر حاصل کر کے پاس ہو جاتا ہے۔ اور سارے سکول میں فرسٹ آتا ہے۔ نتیجہ کے دن سکول کے سب لڑکے طارق کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالتے ہیں۔ اور طارق کے دوست جاوید آنکھیں نیچی کر کے بے شرموں کی طرح سکول کے ایک کونے میں کھڑا ہو کر رو رہا ہے۔ اور اپنے کئے کی سزا بھگت رہا ہے۔ طارق کو اپنی محنت کا پھل مل چکا ہے۔ اور وہ خوشی خوشی لڑکوں کے ساتھ جلوس کی شکل میں گھر کی طرف جا رہا ہے۔ طارق کے گھر میں شادمانی کے ترانے گائے جا رہے ہیں۔ اور جاوید کا گھر ماتم کدہ بنا ہوا ہے۔ جاوید کے ماں باپ جاوید کی آوارگی پر حسرت و افسوس کر رہے تھے۔

ایک مرتبہ سکول میں دینیات پر مضامین لکھنے کا مقابلہ ہوا تو طارق اس وقت بھی اوّل نمبر آیا۔

ایک دفعہ سکول میں دینیات کے استاد نے طارق سے کہا کہ طارق کھڑے ہو جاؤ اور بتاؤ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کون کون تھے۔ اور کتنی کتنی مدت تک انہوں نے خلافت کی! طارق نے جواب دیا۔

پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رض تھے
دوسرے خلیفہ حضرت عمر بن خطاب رض تھے
تیسرے خلیفہ حضرت عثمان ذی النورین رض تھے
چوتھے خلیفہ حضرت علی المرتضیٰ رض تھے

اور ان کی مدت خلافت یہ تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رض ... دو سال تین مہینے نو دن
حضرت عمر بن خطاب رض ... دس سال چھ مہینے پانچ دن
حضرت عثمان ذی النورین رض ... بارہ دن کم بارہ سال۔
حضرت علی المرتضیٰ رض ... تین دن کم پانچ سال

استاد نے شاباش دیتے ہوئے طارق کو کہا بیٹا تم بڑے لائق ذہین اور ہونہار لڑکے ہو اور انشاء اللہ تم ہمیشہ کامران و کامیاب رہو گے۔

پیارے بچو! تم بھی ہر وقت محنت سے پڑھائی کیا کرو۔ محنت کرو گے۔ تو ضرور تمہیں محنت کا پھل ملے گا۔ اگر محنت نہیں کرو گے تو در در کی ٹھوکریں کھاؤ گے۔ اور دنیا میں ذلیل و خوار ہو گے۔

۴ اکتوبر ۱۹۶۸ء

۲۰

ٹیلیفون ۶۷۵۲۵

چیف ایڈیٹر
عبید اللہ انور

The Weekly "KHUDDAMUDDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

رجسٹرڈ ایل
نمبر ۶۰۴۷

منظور شدہ محکمۂ تعلیم
(۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G/۱۶۲۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C-۲۳۶-۱۸۱-۲۴۲ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۷ء
(۳) کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری DD۹-۲۰۷۶/۷۹/۳۹ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۶۴ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو نمبری G/۸۲/۴۶-۱۵۳۱۰ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۶۷ء

زیر و دستور لمیٹڈ لاہور میں باہتمام عبید اللہ انور پرنٹر چھپا اور دفتر خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع ہوا۔